WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارفؔ

سورۃ الاحزاب

نام: اس سورۂ پاک کا نام الاحزاب ہے۔ جو اس سورت کی آیت ۲۰ میں مذکور ہے۔ نیز اس میں غزوۂ احزاب کا تفصیلی تذکرہ ہے، جو تاریخ کے اعتبار سے ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس لیے اس سورت کو اسی نام سے معنون کیا گیا۔ اس میں نو رکوع، تہتّر آیتیں اور ایک ہزار دو صد اسّی کلمات اور پانچ ہزار سات صد نوّے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس میں جن واقعات کا تذکرہ ہے یعنی غزوۂ احزاب، بنی قریظہ اور نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کا نزول ۵ھ میں ہوا۔

مضامین: اس سورۂ مبارکہ میں تاریخ اسلام کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ عرب کے جاہلانہ رسم و رواج میں دُور رس اور انقلابی نوعیت کی اصلاحات کی گئی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خانگی زندگی کے کئی گوشوں کو آشکارا کیا گیا ہے۔ ازواجِ مطہرات اور خاندانِ رسالت کو خصوصی ہدایات اور ارشادات فرمائے گئے ہیں۔ مسلم معاشرہ میں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے۔ پردہ کے نظام کو بروئے کار لانے کے لیے ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرما دیا گیا ہے۔ ان تمام امور نے اس سورت کو بڑی اہمیت بخش دی ہے۔ ہر چیز کا تفصیلی بیان تو اپنے مقام پر آئے گا۔ اس تعارف میں صرف اجمالی اشارات کیے گئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام سورت کا مطالعہ کرنے سے پہلے ان امور کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں اور جب ان کے تفصیلی ذکر کے مقام سے ان کا گزر ہو تو وہ بے خبری میں ہی نہ گزر جائیں بلکہ وہاں توقف کریں، غور و تدبر کریں اور قرآن کریم کی روشنی سے اکتسابِ نور کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

اس سورت کے آغاز میں عہدِ جاہلیت کی رسوم و عادات پر ضرب کاری لگائی گئی ہے لیکن اس سے پہلے یہ فرما دیا کہ بندۂ مومن پر لازم ہے کہ اپنے خداوند ذو الجلال کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرے اور اگر ایسا کرتے ہوئے اُسے لوگوں کی ملامت کا ہدف بننا پڑے یا لوگوں کی برہمی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے تو ذرا نہ گھبرائے بلکہ اپنے ربِّ کریم پر توکل کرے اور اپنے سارے کام اس کے سپرد کر دے اس سے بہتر کارساز اور کون ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ دل ایک ہی ہوتا ہے یا اس دل میں دُنیا اور اہلِ دُنیا کی محبت خیمہ زن ہوگی یا خدا کی بندگی کا جذبہ اپنا پرچم لہرائے گا۔ ان دو میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر ہے۔ اگر انسان کے پہلو میں دو دل ہوتے تو ممکن تھا کہ ایک دل میں خدا اور دُوسرے میں دُنیا کو وہ جگہ دے دیتا۔ اور بیک وقت دونوں

کشتیوں میں سوار ہو سکتا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] نفسیات [illegible] تحصیل اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

[illegible]

[illegible] اپنی موت آپ مر گیا۔

[illegible]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ کوئی منافق ان کی امداد کے لیے نہ آیا۔ آخر انہوں نے جان بخشی کی التجا کی جو قبول کر لی گئی اور ایک ایک اونٹ پر جتنا گھریلو سامان وہ لے جا سکتے تھے انہیں لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ خیبر اور وادی القریٰ میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے مشرکین عرب کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا اور عرب کے بدو قبائل کے پاس بھی ان کے وفد گئے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ دس بارہ ہزار کے لشکر نے ایک چھوٹی سی بستی پر ہلہ بول دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خائب و خاسر کیا اور اپنے رسول مکرم کو فتح مبین عطا فرمائی۔ تفصیل حالات آیات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ کفار کے غبارہ سے ہمیشہ کے لیے ہوا نکل گئی۔ پہلے وہ حملہ آور تھے اور مسلمان صرف دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ اب مسلمان آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہو گئے اور کفار صرف دفاع اور وہ بھی "بے دلی" سے کرنے پر قانع ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روز اعلان فرما دیا: "لن تغزوكم قريش بعد عامكم هذا ولكنكم تغزونهم"۔ یعنی آج کے بعد قریش تم پر لشکر کشی نہ کر سکیں گے، اب تم ہی ان پر لشکر کشی کرو گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ منافق بے نقاب ہو گئے۔ اس نازک مرحلہ میں انہوں نے جس بزدلی و لاتعلقی کا ثبوت دیا، اس نے ان کو بے نقاب کر دیا۔ اب مسلمان ان کو خوب پہچان گئے اور ان کی اذیت رسانیوں سے محتاط ہو گئے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ بنی قریظہ یہودی قبیلہ جس کے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان تھے اس نے جنگ کے دوران میں عہد شکنی کی اور دشمن کے ساتھ مل گیا۔ لیکن حضور کی حکمت عملی سے مشرکین اور یہود کی اجتماعی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر کار یہ قبیلہ بھی کیفر کردار کو پہنچا۔ تفصیلات اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ حق کے دلوں پر اسلام کی دھاک بٹھا دی۔ عرب کے سارے قبائل سہم گئے۔ ان کے دلوں میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے جو فاسد خیالات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے تھے وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کی فضا اب یہود کی اذیت رسانیوں سے محفوظ ہو گئی۔

عام طور پر سیاسی لیڈروں کی خانگی زندگی اور پبلک زندگی الگ الگ ہوا کرتی ہے۔ ان میں بیّن تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو تو سادگی اور کفایت شعاری کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے اپنے گھروں میں تکلفات اور سامانِ عشرت کی بھرمار ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کے اہل خانہ کا دامن غفلت، سہل انگاری اور طرح طرح کی آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے لیکن رہبر انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں دنیا کی آسائشیں اور آرائشیں عزیز ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کے گھر کی زینت نہیں بن سکتی ہو۔ سارے خاندانِ نبوت کے لیے اخلاق، عبادات، تزکیہ باطن اور پاک نفسی کا ایک مخصوص منشور پیش کیا جا رہا ہے انہیں ان کے مقام رفیع کا احساس دلا کر اس کی عظیم ذمہ داریوں کو نبھانے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔

پردے کا جو حکیمانہ نظام قرآن کریم سارے مسلم معاشرہ میں نافذ کرنا چاہتا ہے اس کے ابتدائی احکامات بھی یہاں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن کردار کی بلندی، اخلاق کی پاکیزگی، عباداتِ الٰہی میں ذوق و شوق صرف خانوادۂ نبوت تک ہی محدود نہیں بلکہ امت مسلمہ کے ہر مرد و زن کو جن خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے آیت ۳۵ میں بڑی تفصیل سے ان کو بیان کر دیا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو [illegible]

[illegible]

ان کے علاوہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الاحزاب مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی آیتیں ۷۳ اس کے رکوع ۹

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی (مکرم!) (حسبِ سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے[1] اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا[2] بے شک اللہ تعالیٰ

لے اس مبارک سورت کا آغاز یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ کے پُرجلال کلمات سے کیا گیا ہے براہِ راست اس خصوصی خطاب کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں چند ایسی اصلاحات کا حکم دیا جا رہا ہے جو قدامت پرست اہلِ عرب کے رسم و رواج کے سراسر خلاف تھیں۔ معاشرہ میں جب کوئی غلط رواج پکڑ جاتا ہے اور پشت ہا پشت سے لوگوں کا اس پر تعامل ہوتا ہے تو اسے ایک تقدس اور احترام حاصل ہو جاتا ہے، وہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس بارے میں اتنے جذباتی ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی اصلاح اور ترمیم کو برداشت نہیں کرتے۔ اور کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی اس میں ردّ و بدل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ قوموں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے لیے سب سے صبر آزما لمحے وہی ہوتے ہیں جب وہ اپنی قوم کے غلط اور مضرت رساں رسم و رواج کے خلاف علمِ جہاد بلند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سورت میں عرب کے قدامت پسند معاشرہ اور ان کے غلط رواجوں کی اصلاح کرنا مقصود ہے اور قوم کے شدید ردِّ عمل کا اندیشہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خصوصی طور پر خطاب فرما کر چند ہدایات سے سرفراز کیا ہے تاکہ حضور ان کے خلاف کذب و افتراء کے جو طوفان اُٹھنے والے ہیں، ان میں آپ ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کریں۔

دوسرے انبیاء کو ہمیشہ ان کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم۔ اے آدم، اے نوح، اے ابراہیم۔ لیکن اپنے حبیب کو جب بھی خطاب فرمایا تو نام سے نہیں بلکہ اسمِ وصفی سے۔ اس سے مقصود حضور کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا اظہار ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے: نَادَاهُ جَلَّ وَعَلَا بِوَصْفِهٖ دُوْنَ اِسْمِهٖ تَعْظِيْمًا لَهٗ وَتَفْخِيْمًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم اور اظہارِ شان کے لیے وصفِ نبوت سے یاد فرمایا اور نام کے کر ندا نہیں دی۔

صاحب لسان العرب لفظ "نبی" کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس کے ماخذ اشتقاق کے متعلق اہل لغت کے تین قول ہیں۔ (۱) یہ نَبَأٌ سے مشتق ہے (۲) یا نُبُوَّۃٌ سے (۳) یا نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔ پہلے قول کے مطابق نَبِیٌّ بروزنِ فَعِیْلٌ بمعنی مُفْعِلٌ مُخْبِر ہو گا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔

علامہ جوہری اور فراء دونوں کی رائے یہی ہے کہ یہ نَبَأٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔

الجوہری: وَالنَّبِيُّ الْمُخْبِرُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِاَنَّهٗ اَنْبَأَ عَنْهُ وَهُوَ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى مُفْعِلٍ۔

قَالَ الْفَرَّاءُ: اَلنَّبِيُّ هُوَ مَنْ اَنْبَأَ عَنِ اللّٰهِ فَتُرِكَ هَمْزُهٗ

اور اگر اس کا ماخذ اشتقاق اَلنُّبُوَّۃُ یا اَلنَّبَاوَۃُ ہو تو اس کا معنی ہے بلند اور اُونچی چیز۔ کیونکہ نبی دوسروں سے ہر

[illegible] کہتے ہیں۔ [illegible] الشفقة [illegible]
[illegible] (لسان العرب)

[illegible] لکھا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]

اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ الشفقة [illegible] من الله ومن ذوي العقول من عباده [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

شاید اسی حقیقت کے پیش نظر [illegible] مولانا [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] ہے۔ ترجمان السنة [illegible]

ؐ [illegible] حضور [illegible] صلوٰۃ والسلام [illegible]
[illegible]
[illegible] اَللّٰھُمَّ [illegible] (روح المعانی)

ؐ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝١ وَّاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کیطرف آپنے رب کیجانب سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔

كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝٢ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝٣

جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے ؎ اور (اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپکا) کارساز ؎

مَّا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ

نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں ؎ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں

اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ

کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں ؎ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند

نے فرمایا کہ میں انہیں پہلے امان دے چکا ہوں۔ پھر ان کو حضور نے مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار اور منافق اس قابل نہیں کہ ان کی بات مانی جائے۔ آپ صرف ان احکام کی پیروی فرمایئے جو علیم و حکیم خدا نے آپ پر نازل فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو تمہاری انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور معاشی ضرورتوں سے باخبر ہے اور اس کا ہر حکم حکمتوں پر مبنی ہے۔ ایسے علیم و حکیم خدا کی فرمانبرداری سے ہی تم دونوں جہانوں میں سرخرو ہو سکتے ہو۔

؎ آپ صرف ان احکام کی پابندی کریں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ پر نازل فرمائے ہیں اور وہ تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

؎ باقی رہیں کفار کی دھمکیاں اور منافقین کی ریشہ دوانیاں اور شرارتیں تو آپ ان کی قطعاً پروا نہ کریں۔ اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ اپنے سارے کام اسی کے سپرد کر دیں۔ اس کارسازی کی تائید و نصرت کے بعد آپ کو کسی بد اندیش کی ایذا رسانی کا ہرگز کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔

؎ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دو ہاتھ، دو پاؤں، دو کان اور دو آنکھیں دی ہیں لیکن دل صرف ایک ہی دیا ہے۔ یہاں متضاد خیالات اور عقائد کی گنجائش نہیں۔ ایک دل میں ایک ہی عقیدہ سما سکتا ہے یا انسان خدا کا بندہ بن جائے یا اسے چھوڑ کر غیر کی بندگی اختیار کرلے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کفر اور اسلام دونوں کے علمبردار بنے رہیں، حق اور باطل دونوں سے رشتہ عقیدت جوڑے رکھیں۔ زندگی کے اس پر شور سمندر کو دو کشتیوں میں سوار ہو کر جو عبور کرنا چاہتا ہے وہ غرق ہو جاتا ہے یا صدیق و فاروق کی صف میں شامل ہو جاؤ یا ابولہب ابوجہل کی سنگت اختیار کرو۔ عبداللہ بن اُبی جیسے منافق لوگوں کی یہاں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

؎ یہ بتا دینے کے بعد کہ یہاں دو رنگی کی گنجائش نہیں۔ اسلام کو من و عن اس کے سارے تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا ہوگا یا

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ④

[illegible]

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ

[illegible]

فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

نادانستہ کر بیٹھو۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہو گی) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۞

کسی غیر کا بیٹا کہے۔ علامہ قرطبی نے اس موقع پر بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں حضور   تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

۞ گفتگو میں جو بات ارادہ اور نیت کے بغیر زبان سے نکل جائے۔ اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ البتہ جو خلافِ شرع باتیں تم جان بوجھ کر قصداً کرو گے اس کی سزا تمہیں ضرور دی جائے گی اگر غلطی کرنے کے بعد تمہیں ندامت ہو اور تم سچے دل سے توبہ کرو، تو تمہاری توبہ قبول ہو گی۔ بیشک اس کی بخشش بڑی عام ہے اور اس کا دامنِ رحمت بڑا وسیع ہے۔

تمام علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ شام کے باشندے تھے۔ تہامہ کے چند سواروں کا ادھر سے گزر ہوا۔ یہ ابھی بچے ہی تھے انہوں نے انہیں پکڑ لیا۔ اپنے ساتھ لائے اور انہیں فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے انہیں خرید لیا اور خرید کر اپنی پھوپھی صاحبہ کو تحفۃً پیش کیا۔ حضرت ام المومنین نے زید کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضور نے انہیں آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ بنا لیا۔

زید کے والد حارثہ اپنے لڑکے کے فراق میں دیوانہ ہو گئے اور اس کی تلاش میں ملک ملک کی خاک چھان ماری۔ اپنے بیٹے کے فراق میں جو قصیدہ انہوں نے لکھا اسے پڑھ کر آج بھی دل پسیج جاتا ہے۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور ایک بدو کی بلاغت اور اس کے درد و سوز سے آگاہی حاصل کیجئے۔

بَكَيْتُ عَلٰى زَيْدٍ وَلَمْ اَدْرِ مَا فَعَلْ   اَحَيٌّ فَيُرْجٰى اَمْ اَتٰى دُوْنَهُ الْاَجَلْ

میں زید کے فراق میں روتا رہتا ہوں، مجھے اس کے حال کا کوئی علم نہیں۔ کیا وہ زندہ ہے تاکہ اس کے لوٹ آنے کی امید کی جائے یا موت کی آغوش میں سو چکا ہے۔

تُذَكِّرُنِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا   وَتَعْرِضُ ذِكْرَاهُ اِذَا غَرْبُهَا اَفَلْ

سورج جب طلوع ہوتا ہے تو وہ اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور جب وہ غروب ہونے لگتا ہے تو پھر بھی اس کی یاد مجھے ستانے لگتی ہے۔

وَاِنْ هَبَّتِ الْاَرْيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهٗ   فَيَا طُوْلَ مَا حُزْنِيْ عَلَيْهِ وَمَا وَجَلْ

جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کی آتشِ شوق کو بھڑکا دیتی ہیں، اس کی جدائی میں میرا غم اور اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔

سَاُعْمِلُ نَصَّ الْعِيْسِ فِي الْاَرْضِ جَاهِدًا   وَلَا اَسْاَمُ التَّطْوَافَ اَوْ تَسْاَمُ الْاِبِلْ

میں اپنی اعلیٰ نسل کی سانڈنی کو زمین میں چلاتا رہوں گا اور نہ میں اس کی تلاش میں طواف کرنے سے تھکوں گا اور نہ ہی میری اونٹنی۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ وَ

نبی کریم، مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور

[illegible]

اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ

قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، کتاب اللہ کی رُو سے عام

يَقَعْنَ فِيْهِ وَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ وَاَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِيْهِ (قرطبی) یعنی میری اور میری اُمّت کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور مختلف جانور اور پروانے اس میں گرنے کے لیے دوڑتے چلے آرہے ہوں۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں اور تم اس میں گرنے پر اصرار کر رہے ہو۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے :

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰى بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهٗ مَنْ كَانُوْا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيَاعًا فَلْيَاْتِنِيْ فَاَنَا مَوْلَاهُ۔

یعنی کوئی ایسا مومن نہیں جس کا دُنیا و آخرت میں میں والی نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو النبی اولی بالمومنین۔ اور جو مومن فوت ہو اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو اس کے قریبی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے اور جو مومن قرضہ وغیرہ چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا والی ہوں۔

حضور کی شانِ کریمی پر انسان قربان جائے کتنی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمارے ساتھ ایسا تعلق ہے، حضور کی خیر خواہی اور لطف و کرم کا یہ عالم ہے تو پھر حیف ہے ہم پر اگر ہم حضور کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے نفسوں کی خواہشات کی پیروی میں لگ جائیں، اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لیے یا علمائے حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے نبی پاک کی اطاعت سے سرتابی کریں۔ نیز اسلامی حکومتوں اور قانون ساز اداروں کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کس رؤف و رحیم کا دامن چھوڑ رہے ہیں اور کس کی اطاعت کو اپنا شعار بنا رہے ہیں۔ وكونه عليه السلام اولى بالمؤمنين من انفسهم اى ارأف بهم واعطف عليهم اذ هو يدعوهم الى النجاة وانفسهم تدعوهم الى الهلاك۔ یعنی حضور کے اولی بالمومنین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ان پر ان کے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں کیونکہ حضور انہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے نفس انہیں ہلاکت کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت سہل فرماتے ہیں : مَنْ لَمْ يَرَ نَفْسَهٗ فِيْ مِلْكِ الرَّسُوْلِ وَلَمْ يَرَ وِلَايَتَهٗ عَلَيْهِ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهٖ لَمْ يَذُقْ حَلَاوَةَ سُنَّتِهٖ۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو حضور کا غلام نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر حضور کی حکمرانی تسلیم نہ کرے، اس نے سُنّت کی شیرینی کا مزہ ہی نہیں چکھا۔

۱۲ حضور رسالتمآب علیہ التحیات والتسلیمات کی ازواجِ مطہرات کی عزت افزائی فرمائی جا رہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس تعلق کے باعث ہر مومن کا فرض ہے کہ ان کا اسی طرح احترام کرے جس طرح اپنی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اگر ان جسمانی ماؤں

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهٰجِرِينَ إِلَّآ أَنْ تَفْعَلُوٓا إِلٰىٓ أَوْلِيٰٓئِكُمْ مَعْرُوفًا ۚ كَانَ

[illegible]

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُورًا ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيثَاقَهُمْ وَ

[illegible]

مِنْكَ وَمِنْ نُّوحٍ وَّإِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا

آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چنانچہ [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible]:

"كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث"

یعنی پیدائش میں سب سے پہلے تھا اور بعثت میں سب نبیوں کے بعد۔

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٧ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ

سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے انکے سچ کے متعلق اور اس نے

ع ۲ ۱۷ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب۔ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو ۱۱ جو اس نے

۱۱ ان آیات میں اس تائید اور عنایت کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو سرفراز فرمایا تھا۔ ان آیات کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ان نازک حالات کا جائزہ لینا ازحد اہم ہے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا تھا۔ اس لیے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا پس منظر پیش خدمت ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود کے دو مشہور قبیلے آباد تھے بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی ان سے دوستی کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتے جب کہ وہ اپنی اس باطنی خباثت کا مظاہرہ کر سکیں۔ غزوۂ احد میں جب گھاٹی پر متعین تیراندازوں کی عجلت اور غلطی کے باعث اسلامی لشکر کو سخت جانی نقصان ہوا، تو یہود کے حوصلے بڑھ گئے۔ دوستی کے معاہدہ کے باوجود بنی نضیر نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی جس میں وہ بُری طرح ناکام ہوئے۔ اس عہد شکنی اور غداری کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ عبد اللہ بن ابی نے انہیں جا کر شہ دی کہ وہ اپنے گھروں میں ڈٹے رہیں۔ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے گا اور اس نے یقین دلایا کہ دوسرے کئی بدو قبائل بھی ان کی امداد کے لیے مدینہ پر دھاوا بول دیں گے، اس لیے بنی نضیر نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر گزریئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہلت کی مدت ختم ہوتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا۔ عبد اللہ بن ابی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ جب بنی نضیر نے حالات کو اپنی توقع کے خلاف پایا تو انہوں نے مدینہ طیبہ چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ تین آدمیوں کو ایک اونٹ پر جتنا سامان وہ لاد سکتے تھے لاد کر لے جانے کی حضور نے اجازت دے دی۔ بنی نضیر جلاوطنی کے بعد کچھ خیبر میں آکر آباد ہو گئے اور بعض وادی القریٰ میں فروکش ہو گئے لیکن انہوں نے یہاں آکر بھی اسلام کے خلاف سازش کرنی شروع کر دی۔ ان کا ایک وفد جس میں سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم اور حیی بن اخطب، قبیلہ بن نضیر سے اور بنی وائل سے ابو عمارہ شریک تھے مکہ پہنچا اور قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر کے دم لیں گے۔ قریش نے ان سے پوچھا کہ اے علماء یہود! تم صاحب کتاب ہو اور علم وفضل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عہد نبوت میں
عرب قبائل کے علاقے
نقشہ متعلقہ سورہ الاحزاب آیت ۹ تا ۲۷

ہیں، تھکاوٹ سے چُور ہیں، لیکن اپنے محبوب قائد کے ارشاد کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ شمعِ توحید کے ان پروانوں کو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب نے جانبازی اور فدائیت کا یوں مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَۃ

یعنی زندگی تو آخرت کی زندگی ہی ہے۔ میرے پروردگار انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اپنے حق میں یہ دعا سن کر صحابہ کرام پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور کیف و سرور سے بے خود ہو کر یہ گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

یعنی ہم منزلِ عشق و محبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی و مرشد کے دستِ مبارک پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے کلمۂ حق کو بلند کرنے کیلئے مصروفِ جہاد رہیں گے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اپنے شیریں اور دلنواز لہجہ سے اپنے ایک غلام حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے یہ شعر بھی پڑھتے:

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

یعنی اے میرے مولا کریم! اگر تیری مہربانی نہ ہوتی تو ہم راہِ ہدایت پر گامزن نہ ہوتے، نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی۔ اے اللہ! ہم پر اطمینان و سکون نازل فرما اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان، حذیفہ، نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری اپنے حصہ کی چالیس گز خندق کھود رہے تھے، تو اتفاق سے ایک چٹان آگئی۔ ہم نے سارا زور لگایا، بڑے جتن کیے لیکن وہ نہ ٹوٹی۔ میں نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کریں تاکہ جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت سلمان خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے متعلق گزارش کی کہ ہمارے بازو شل ہو گئے ہیں۔ ہماری کدالیں کند ہو گئی ہیں لیکن وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ سن کر حضور خود اُٹھے اور اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر حضرت سلمان کے ہاتھ سے گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ضرب لگائی۔ اس سے اتنی روشنی پیدا ہوئی جیسے کسی نے گھپ اندھیرے میں اچانک چراغ جلا دیا ہو۔ اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ حضور نے فرمایا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام۔ مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔ دوسری مرتبہ پھر حضور نے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ضرب لگائی، پھر اسی طرح روشنی نمودار ہوئی اور تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور نے فرمایا: اللہ اکبر اعطیتُ مفاتیح فارس۔ مجھے ملک ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں۔ تیسری مرتبہ چوٹ لگائی، باقیماندہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو گئی اور حضور نے فرمایا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الیمن۔ مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت کر دی گئیں۔ اسی طرح نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ضربوں سے نہ صرف اس چٹان کو پارہ پارہ کر دیا، بلکہ دنیا کی دو بڑی عالمی طاقتوں روم اور ایران کے سنگین قلعوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور ان ممالک کی فتح کی نوید بھی اپنے غلاموں کو سنا دی۔ ظاہری حالات کی نزاکت کسی سے مخفی نہیں۔ سارا عرب اُمڈ کر آ رہا ہے۔ مدینہ کا ماحول بھی سازگار نہیں۔ یہاں بھی یہودیوں اور منافقوں کی یکجائی جمعیت موجود ہے۔ فوج کے لیے نہ ساز و سامان ہے اور نہ خوراک کا معقول انتظام ہے۔ ان حالات میں جب بظاہر دشمن کے اس زبردست

[illegible] کے [illegible] ہوتی [illegible] کی [illegible] حضرت [illegible] تعالیٰ [illegible]
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] صاف [illegible] رہے ہیں۔

یہاں ایک [illegible] حضرت علی [illegible] تعالیٰ [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] علی [illegible] کے [illegible]
[illegible] آپ [illegible]
[illegible] کی [illegible] آپ [illegible]
[illegible] اپنی [illegible] کی [illegible]
[illegible] کی [illegible] کے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
اپنے حبیب [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم [illegible] آپ کے [illegible]
[illegible] کی ضرورت [illegible] رہی۔

یہ روایت [illegible] کی [illegible]
[illegible] کی [illegible] کی [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ [illegible]
[illegible] کا سبب بنا ہے۔

فروع کافی جلد [illegible] کتاب [illegible] میں درج ہے: [illegible] عبد اللہ قال [illegible] رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم [illegible] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم [illegible]
[illegible] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم [illegible]
[illegible] علیہ [illegible] حضرت [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گئے ہیں۔

[illegible] اس [illegible] ہے:

[illegible] گفت [illegible] | [illegible]
حضرت نے جواب [illegible] سے [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] کے [illegible] ضرب کے [illegible]

سبب را چنیں گفت روح الامین   کہ بعد از من اعوان و انصارِ دین

جبرئیل علیہ السلام نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے بعد دین اسلام کے مددگار اور جان نثار

بریں مملکت ہا مسلط شوند   بآئینِ من اہل آں بگروند

ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں میری شریعت کا قانون نافذ کریں گے۔

بریں مژدہ و شکر و لطفِ خدا   بہر بار تکبیر کردم ادا

اس بشارت اور اللہ تعالیٰ کے لطف پر مَیں نے ہر بار تکبیر کہی۔

شنیدند آں مژدہ چوں مومناں   کشیدند تکبیر شادی کناں

مومنوں نے جب یہ مژدہ سُنا تو سب نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔

اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی یہ واقع مذکور ہے۔

شب و روز کی محنتِ شاقہ سے کفار کے لشکر کے آنے سے پہلے خندق تیار کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ کے تین اطراف ایسے تھے، جہاں سے عمومی حملہ کی توقع نہ تھی۔ جنوب کی طرف گھنے باغات تھے۔ مشرق اور مغرب کی طرف پتھریلا علاقہ اور سخت چٹانیں تھیں۔ جہاں جگہ جگہ گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں۔ صرف شمال کی سمت ہی کھلی اور غیر محفوظ تھی اور حملہ کا اسی جانب سے خطرہ تھا، چنانچہ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر شہر کی شمالی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر مکمل کر لی گئی۔ دشمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے حضور تین ہزار جان نثاروں کو لے کر موزوں مقامات پر خیمہ زن ہو گئے۔ کفار کا لشکر جو ایک طوفان کی صورت میں آگے بڑھا چلا آ رہا تھا اسے یہ خیال تھا کہ وہ مدینہ کی بستی کو پہلے ہلّہ میں ہی نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ اُنہوں نے جب اپنے سامنے اتنی چوڑی اور گہری خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جنگی منصوبہ بندی میں ایسی تدبیر کا سان گمان بھی نہ تھا۔ مجبوراً خندق کی دوسری طرف ہی اُنہوں نے اپنے خیمے نصب کر لیے اور مسلمانوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور حملہ کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک روز ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، عمرو بن عبدوُد عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کا چکر کاٹنے لگے۔ ایک جگہ خندق نسبتاً تنگ تھی۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بجلی کی سُرعت کے ساتھ کُود کر خندق کے دُوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بلند آواز سے للکارا: ھل من مبارز۔ ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا۔ کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول کا شیر علی المرتضی کرم اللہ وجہہ اپنی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اے عبدوُد کے بیٹے! میں نے سُنا ہے کہ تُو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو تُو ان دو میں سے ایک ضرور دے گا۔" اس نے بڑی نخوت سے کہا: ہاں، میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ تُو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان لے آ اور اسلام قبول کر لے۔ ادعوك الی اللہ والی رسولہ والی الاسلام۔ اُس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ شیرِ خدا نے فرمایا: پھر میری دُوسری درخواست یہ ہے کہ آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ وہ کہنے لگا: میرے آپ کے والد ابوطالب کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ اسلام کے

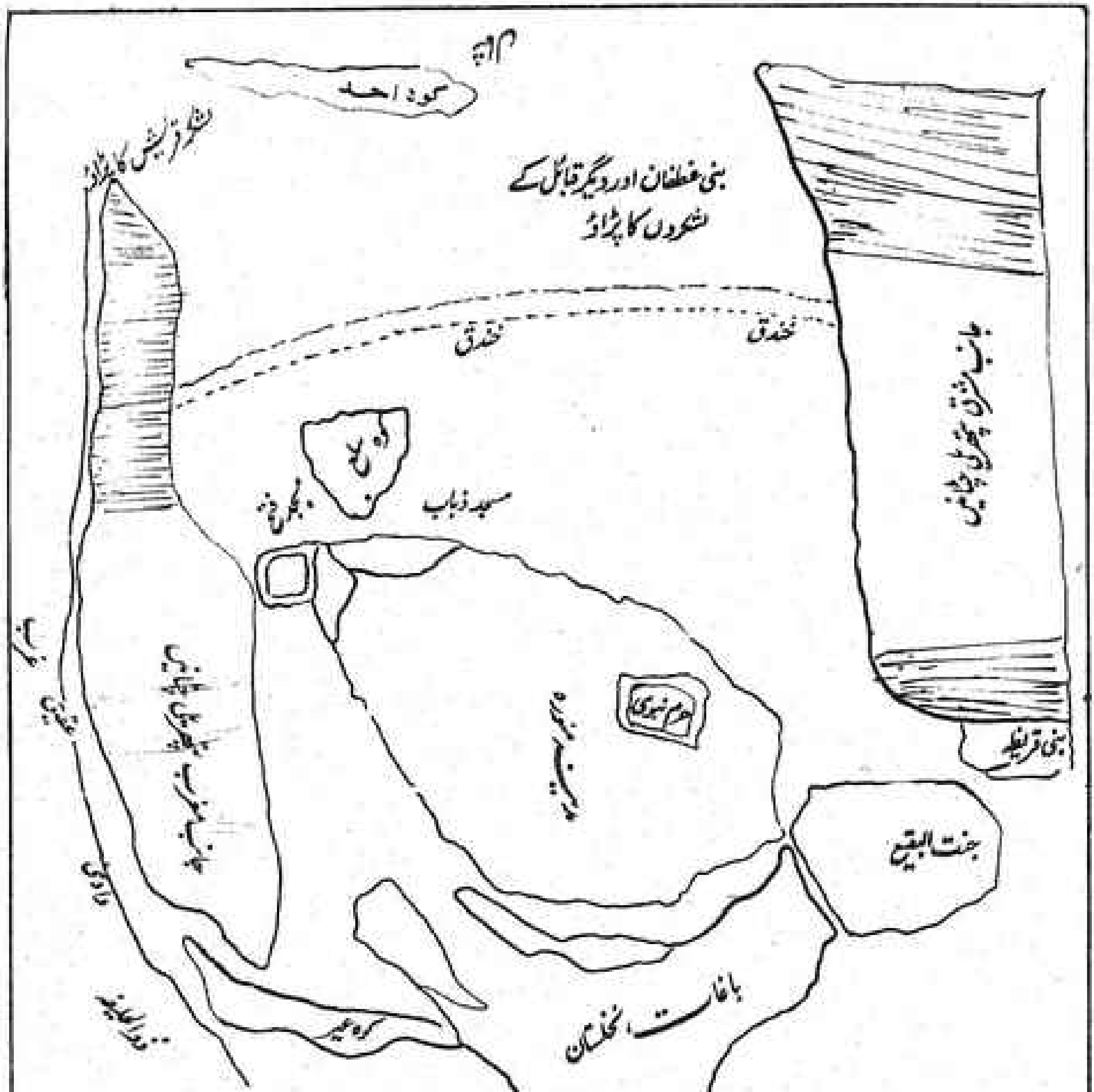

نقشہ جنگِ خندق

متعلقہ سورۃ الاحزاب آیات نمبر ۹ تا ۲۷

نہیں لائے بلکہ جہان بھر کی ذلت اور رسوائی لے کر آئے ہو۔ اور جو لشکر تمہارے ساتھ ہے یہ ایسا بادل ہے جو صرف گرجتا اور کڑکتا جاتا ہے۔ اس میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ پیغمبر اسلام سے ہمارا دوستی کا معاہدہ ہے اور آج تک ان کی طرف سے اس کی معمولی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔ میں اس معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن حیی اس کو عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو گیا اور کعب نے آخر کار مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور حیی اور لشکر کفار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو اس کی تصدیق کے لیے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر یہ اطلاع غلط ہو تو بھرے مجمع میں آکر بتا دینا۔ لیکن اگر درست ہو تو کنایۃً بتانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس حادثہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یہ حضرات جب بنی قریظہ کی گڑھی میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بالکل نرالا تھا۔ جنگ کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں۔ تلواریں، بھالے، تیر کمانیں اسلحہ خانے سے نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے کعب سے گفتگو کرنا چاہی اور اسے سمجھانا چاہا، لیکن وہاں تو نیتوں میں فتور پیدا ہو چکا تھا، وہ کوئی معقول بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ تُو تُو میں میں تک نوبت پہنچی۔ بنی قریظہ نے صاف صاف کہ دیا کہ ہمارے درمیان اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان قطعاً کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ الجھنے سے روکا اور فرمایا اب یہ معاملہ گالی گلوچ سے طے نہیں ہو گا، اب معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ واپس آکر انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع حضور کی خدمت میں اشارۃً کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو گئی۔ مسلمانوں کی پریشانی کی حد ہو گئی پہلے تو صرف بیرونی حملہ آور سے مقابلہ تھا اب گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ بنی قریظہ کے نوجوان کسی وقت بھی عقب سے حملہ کر کے حالات کو سنگین بنا سکتے تھے۔

منافقین جو اب تک مصلحت بینی کے پیش نظر بادلِ نخواستہ اسلامی لشکر میں شامل تھے انہوں نے برملا کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب کے سچے خادم ان حالات میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی جمعیت اور طاقت کو منتشر کرنے کے لیے بنی غطفان کے سرداروں عیینہ اور ابوالحارث بن عوف سے بات چیت شروع کی۔ اگر تم محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ تو مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دے دیا جائے گا انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں ساری گفتگو سے خبردار کر دیا گیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے آقا! اگر یہ معاہدہ حضور کو پسند ہے اور خوشی کا باعث ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تو بھی ہمیں مجالِ انکار نہیں۔ اگر حضور محض ہماری سلامتی کے پیش نظر یہ معاہدہ کر رہے ہیں، تو ہم یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جب ہم کافر اور مشرک تھے اس وقت بھی ہم ان قبائل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بطور مہمان یا خرید کر تو یہ مدینہ کی کھجوریں کھا سکتے تھے ویسے زبردستی کسی کو کھجور کا ایک دانہ لینے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ اب تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزتِ اسلام سے مشرف کیا ہے، ہماری غیرتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ یونہی ہماری کھجوروں میں حصہ دار بن جائیں۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے محض تمہاری سلامتی کے پیش نظر ان سے یہ بات چیت شروع کی ہے۔ اس تاریک ماحول میں، ان صبر آزما مشکلات میں غیرت و جرأت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عرض کی: واللہ لا نعطیهم الا السیف

حتی یحکم اللہ بیننا وبینکم۔ چنانچہ وہ اسی جگہ کے پیچھے [illegible] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

اہلِ ایمان کے صبر و خلوص کا جب امتحان ہو چکا تو نصرتِ خداوندی نازل ہونے لگی۔ بنی غطفان کا ایک آدمی نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان [illegible] خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ [illegible]

[illegible]

کے پاس روانہ کیا۔ اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ حالتِ سفر میں ہمارے جانور ہلاک ہو رہے ہیں خود بھی ہم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ محاصرہ کو اب مزید طول دینا ہمارے لیے ممکن نہیں، اس لیے اب مزید تاخیر کیے بغیر ہمیں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے۔ کل ہم سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور تم پیچھے سے ہلّہ بول دو تاکہ اس مصیبت سے جان چھوٹے اور ہم فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یوم سبت (ہفتہ) ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا ہم مسلمانوں سے دشمنی کا خطرہ مول لینے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم کسی وقت ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے نہیں جاؤ گے اور ہمیں تب یقین آئے گا جب چند معزز آدمی تم ہمارے پاس بطور رہن بھیج دو۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں تو پھر ہم محمد (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے تم تو کل گھروں کو چلے جاؤ گے۔ ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں سر چھپائیں گے۔ جب وفد نے بنی قریظہ کی گفتگو ابوسفیان وغیرہ کو جا کر بتائی، تو وہ کہنے لگے کہ بخدا نعیم نے جو اطلاع ہمیں دی تھی وہ درست ہے۔ ابوسفیان نے ان کی یہ شرط ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس طرح بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے جو مشورہ دیا تھا وہ صحیح تھا۔ انہوں نے حملہ آور لشکر کو کہلا بھیجا کہ جب تک تم اپنے آدمی بطور یرغمال ہمارے پاس نہیں بھیجو گے ہم تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور اسلام کے خلاف ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی، سامان رسد بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست اور ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ایک رات کو سخت آندھی آئی۔ ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گھوڑے رسے تڑا کر بھاگ نکلے، سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ تند و تیز آندھی انہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔ ابوسفیان جو اس ساری شرارت کا سرغنہ تھا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور کہا یارو! میں تو جا رہا ہوں تم بھی کوچ کرو۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ جھکڑ کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ابوسفیان پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے اس کا عقال (رسی) کھولنا یاد نہ رہا۔ جب اس نے اسے ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا تب اسے پتہ چلا کہ اس کا پاؤں رسے سے بندھا ہوا ہے۔ اسی حالت میں اس نے عقال کو تلوار سے کاٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے کمانڈر انچیف کو یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔

حضرت حذیفہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کے فرار کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تو رحمتِ مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی سے ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک کی سپیدی ظاہر ہو گئی۔ مسلمان جب صبح بیدار ہوئے اور لشکر کفار کے پڑاؤ کی طرف دیکھا تو وہاں ٹوٹی ہوئی طنابوں، الٹی ہوئی ہانڈیوں، بجھی ہوئی آگ اور بکھرے ہوئے سامان کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کفر کا گھٹا ناپید ہو چکی تھی۔ یثرب نگر کا مطلع صاف ہو چکا تھا جہاں سورج کی سنہری کرنیں مسرت، کامیابی اور اطمینان کی نوید سنا رہی تھیں۔

یہ ان حالات کا اجمالی خاکہ ہے جن میں یہ آیات نازل ہوئیں اس کی روشنی میں اگر آپ ان آیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو ان کا مفہوم سمجھنے میں بڑی آسانی ہو گی۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر حضور کو رحمۃ للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکر کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ

[illegible]

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ

تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے ۱۹ اور تم

تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا

اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے ۲۰ اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے

شَدِيْدًا ۝۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

گئے ۲۱ اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ

مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر فریب دینے کیلئے ۲۲ اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی انہیں سے ایک جماعت

۱۹ یعنی دشمن نے ہر طرف سے تمہیں گھیر لیا تھا۔ صورت حال اتنی بھیانک تھی کہ دہشت کے مارے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں خوف و ہیبت سے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ حناجر جمع ہے۔ اس کا واحد حنجرہ۔ حلق کی نچلی طرف کو حنجرہ کہتے ہیں۔ جب انسان صدمہ یا خوف زدہ ہو تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل اچھل کر باہر نکل رہا ہے۔ واشارۃ الی عایۃ خلع من الخوف حتی اظلمت الابصار ہم (مفردات) یعنی خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پتھرا جانا۔

۲۰ ان کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ سب لوگوں کی سوچ اور اندیشے یکساں نہ تھے۔ منافق تو یہ خیال کر رہے تھے کہ اب اسلام کا درخت جڑوں سے اکھڑ جائے گا۔ یہ آندھی اس چراغ کو بجھا دے گی۔ بزدل لوگ میدانِ جنگ سے بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگے تھے طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ بعض نے تو اجازت مانگنے کو بے جا تکلف خیال کیا۔ جونہی موقع ملا مورچہ کو خالی چھوڑ کر پیچھے سے کھسک گئے۔ لیکن مردانِ پاکباز کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں پر پکا یقین تھا۔ حالات بیشک حوصلہ شکن تھے۔ فضا خطرات کے مہیب بادلوں سے اٹی ہوئی تھی۔ لیکن ان وفا کیشوں کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا۔ ان اندھیروں میں ان کے نورِ یقین کی تابندگی دید کے قابل تھی۔

۲۱ آزمائش بڑی سخت تھی ایک بھونچال تھا۔ ہر چیز تھر تھر کانپ رہی تھی۔ امتحان کی اس بھٹی سے مسلمان کندن بن کر نکل رہے تھے جن لوگوں نے نفاق کا لباس پہنا ہوا تھا وہ ننگے ہو کر سامنے آ رہے تھے۔

۲۲ منافق دل میں تو خوش تھے کہ اچھا ہوا مسلمانوں کی بربادی کی گھڑی آگئی جس کا وہ بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے سرگوشیاں کیں اور پھر لوگوں کے سامنے برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ فتح اور کامیابی کا وعدہ کہاں گیا۔ اگلے روز تو یہ خوشخبریاں سنائی جا رہی تھیں کہ تم قیصر

يَاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ

[illegible]

النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ

[illegible]

اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

[illegible]

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوْا

[illegible]

[illegible]

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے ۴۸ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے

مَسْـُٔوْلًا ۞ ۱۵ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ

اسکے متعلق ضرور باز پرس کی جائی ہے ۴۹ فرما دیجئے (اے بھگوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا

الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ ۱۶ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ

قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی تو) تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت ۵۰ فرمائیے کون بچا سکتا ہے تمہیں

اپنے بال بچے کا خیال ستائے گا اور نہ اپنے گھروں کی حفاظت کا فرض یاد رہے گا۔ تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کو مٹانے کے جوش میں کفار کے لشکر میں شریک ہو جائیں گے۔

ان آیات میں کفار و منافقین کی ذہنیت کا کتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جا رہا ہے اور ان کے اندازِ فکر اور طریق کار کی کیسی صحیح تصویر کھینچی جا رہی ہے۔

۴۷ کفار کی دعوت پر لبیک کہنے میں وہ صرف اتنی مہلت مانگیں گے کہ گھروں میں رکھے ہوئے ہتھیار لے آئیں اور پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کو مٹانے کے لیے ان کے لشکر میں شریک ہو جائیں۔

۴۸ آج تو ان کا یہ عالم ہے کہ بھاگ جانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں لیکن پہلے تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم اسلام کے لیے جان دے دیں گے، خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ سر کٹا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔ کہاں گئے ان کے وعدے اور کہاں گئے ان کے دعوے۔ منافقوں کا ہمیشہ یہی شعار ہوتا ہے کہ جب باتیں بنانے کا وقت ہوتا ہے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیتے ہیں اور اپنے اخلاص اور بہادری کے بارے میں ایسی ڈینگیں مارتے ہیں کہ سننے والا حیران ہو جاتا ہے لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور ان کا غلیظ باطن آشکارا ہو جاتا ہے۔

۴۹ وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو وعدے انہوں نے خداوندِ عالم سے کیے تھے انہیں بھلا دیا جائے گا۔ اور ان سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہو گی۔ ان کا یہ خیال غلط ہے، اللہ تعالیٰ ان سے ہر بات کے متعلق باز پرس کرے گا۔

۵۰ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! انہیں کہیے کہ اگر تم موت اور قتل سے بچنے کے لیے میدانِ جنگ سے بھاگ جانا چاہتے ہو تو تمہارے جیسا نادان اور کون ہو گا۔ یاد رکھو! موت سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں میدانِ جنگ میں قتل ہونے سے اگر آج تم بچ بھی گئے تو کیا پھر ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے؟ آج نہیں تو کل بہرحال تم نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس لیے چند روزہ زندگی کے لیے اپنے نام پر بزدلی اور نامردی کی تہمت نہ لگنے دو۔

مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ

اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرے یا اگر وہ تم پر رحمت [illegible] اور

لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ قَدْ

نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار [illegible] اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ

خوب جانتا ہے [illegible]

اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا

[illegible]

[illegible]

جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ

جب خوف (و دہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی

يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ

ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو ۳۱ پھر جب خوف دُور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے

حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ

بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں ۳۲ (در حقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے ۳۳ پس اللہ نے ضائع کر دیئے ہیں ان کے اعمال

البخل اور بعض علماء لغت نے شحّ اور بخل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مال خرچ کرنے میں کنجوسی کو تو بخل کہتے ہیں لیکن مال خرچ کرنے اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنے میں کنجوسی کو شحّ کہتے ہیں۔ البخل بالمال والشحّ بالمال والمعروف یعنی غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لیے یا جہاد کی تیاری کے لیے انہیں مال دینے کی دعوت دی جاتی ہے تو ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے پرلے درجہ کی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۳۱ اور جب خوف طاری ہوتا ہے تو پھر ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ آنکھیں گھومنے لگتی ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے نے اپنا ہاتھ ان کی شہ رگ پر رکھ دیا ہے اور وہ ذبح ہو رہا ہے۔ مرنے والے کی جو حالت ہوتی ہے وہی ان بزدلوں کا حال ہوتا ہے۔ کنجوسوں کی بزدلی کی کتنی صحیح تصویر کھینچی گئی ہے۔

اپنے ہاں کے دولتمندوں کو دیکھیے کہ انہیں اپنے پڑوس میں بسنے والے مسکینوں اور اپنے خاندان کے خستہ حال یتیموں اور بیواؤں پر کبھی ترس نہیں آتا۔ ان کے لیے ایک کوڑی خرچ کرنا بھی انہیں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب اشتراکیت کے علمبردار ان کی فیکٹریوں پر دھاوا بول دیتے ہیں اور ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اس وقت ان کا حال بعینہٖ وہی ہوتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ کاش اُمت کے اغنیاء اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کی امداد فیاضی سے کریں اور یتیم بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کریں تو قطعاً انہیں ان رُوح فرسا حالات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

۳۲ جب جانباز مجاہدین کی کوششوں سے دُشمن پسپا ہو جاتا ہے تو اُن کے ہوش ٹھکانے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کی خسیس فطرت دُوسرے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مال غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے جھپٹنے لگتے ہیں۔ ان کی بھوکی للچائی ہوئی نظریں ہر چیز کو ہڑپ کرنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ جانباز مجاہدوں پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ اس فتح و کامیابی کا سہرا صرف ان بانکے لوگوں کے سر ہے۔ وہ مجاہدین جو فولادی چٹان بن کر دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہے اور دُشمن کے ہر ہلّہ کو پسپا کرتے رہے ان کا اس فتح میں کوئی حصہ ہی نہیں کبھی کہتے ہیں کہ تمہارا جنگی منصوبہ ناقص تھا تم نے اپنا فرض

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ۝ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ

اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے (بالکل) آسان ہے۔ [illegible]

يَذْهَبُوا ۚ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي

[illegible]

الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا

[illegible]

[illegible]

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ ع ۲ ۱۸

کرتے مگر برائے نام ۔ بیشک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے ۲۱ ہر اس کے لیے ہے

مکانات اوران میں پُر آرام وہ محلات کے بجائے وہ کسی صحرا میں بدوؤں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ جہاں دشمن کے حملہ کا ہر وقت خطرہ نہ ہوتا۔ آیت میں بَادُوْنَ "بدو" سے ہے۔ اس کا معنی جنگل میں نکل جانا اور وہاں آباد ہو جانا ہے۔ یقال بدا یبدو. بدواً بداوۃ اذا خرج الی البادیۃ ، الاعراب ، سُکّان البادیۃ خاصّۃً والواحد منھم الاعرابی نسبۃ الی الاعراب ۔ (المنجد) یعنی جنگل میں رہنے والوں کو اعراب کہتے ہیں اس کا واحد اعرابی ہے۔

۲۱ نظریات جب تک صرف نظریات ہوں نہ ان کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے نہ ان میں کشش اور جاذبیت پائی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر ابھار سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگا دیجیے ، فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیجیے لوگ تحسین و آفرین ضرور کریں گے ، لیکن ان نظریات کو اپنانے اور اس اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نباہنے کی راہ میں جو خطرات ہیں ان کو وہ اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوع بحث بنائیں ۔ اپنے ذہن رسا سے طرح طرح کی توجیہیں پیش کریں ، مجلس مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ، بلکہ یہ تو ایک نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لیے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگالیں۔

یہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جس موقع پر اس کا نزول ہوا اس نے اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ آیت غزوۂ خندق کے ایام میں نازل ہوئی جب کہ دعوت حق پیش کرنے والوں کے راستہ میں پیش آنے والی ساری مشکلات اور آلام و مصائب پوری شدت سے رونما ہو گئے۔ دشمن سارے عرب کو ساتھ لے کر آدھمکا ہے۔ یہ حملہ اتنا اچانک ہے کہ اس کو پسپا کرنے کے لیے جس تیاری کی ضرورت ہے اس کے لیے خاطر خواہ وقت نہیں۔ تعداد کم ہے۔ سامان رسد کی اتنی قلت ہے کہ کئی وقت فاقہ کرنا پڑتا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں نے عین وقت پر دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ ان کی غداری کے باعث حالات مزید پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ دشمن سیلاب کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پہنچنے سے قبل مدینہ طیبہ کی مغربی سمت کو خندق کھود کر محفوظ بنا دینا از حد ضروری ہے۔

ان حالات میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے دوش بدوش موجود ہیں۔ خندق کھودنے کا موقع آتا ہے تو ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے لگتے ہیں۔ مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے ہیں۔ دوسرے مجاہدین کی طرح فاقہ کشی کی تکلیف بھی

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۙ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَ

اور جب ایمان والوں نے کفار کے لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ منظر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اسکے رسول نے فرمایا

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝٢٢ مِنَ

تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا ۳۴؎ اہل

الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ

ایمان میں ایسے جواں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ۳۵؎ ان جواں مردوں سے کچھ

قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝٢٣ لِيَجْزِيَ

تو اپنی نذر پوری کر چکے ۳۶؎ اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں ۳۷؎ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) انکے عزم میں ذرا تبدیلی نہیں کی

۳۴؎ ان خوفناک حالات میں منافقین کی بزدلی اور بد باطنی کا ذکر ہوا۔ اب اہل ایمان کے ایمان افروز حالات اور جذبات کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کے قدموں میں اپنی جان اور اپنا دل نثار کر دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ کفار کا لشکر جرار دیکھ کر اور اپنے آپ کو مہیب خطرات میں گھرا دیکھ کر مسلمانوں کے یقین اور ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کے ایمان میں اور جلا پیدا ہو گئی قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا کا جو درس انہیں دیا گیا تھا وہ پھر تازہ ہو گیا اور کہنے لگے یہ تو بعینہ وہی چیز ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا۔ جس طرح اس حملہ کا وعدہ پورا ہوا اسی طرح غلبہ اسلام کا وعدہ بھی یقیناً پورا ہوگا جس وعدہ کا یہاں ذکر ہے۔ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب خندق کھودتے ہوئے چٹان نمودار ہوئی تو حضور نے تین ضربیں لگا کر اسے پارہ پارہ کر دیا نیز شام ایران اور یمن کی فتح کی خوش خبری بھی دے دی۔

۳۵؎ رِجَالٌ پر تنوین تعظیم کی ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قوت و مردانگی میں بے نظیر تھے۔ یقال فلان رجل فی رجال ای کامل الرجولیة بمنتھی المجد۔ یعنی اہل ایمان میں ایسے جواں مرد اور پاکباز عشاق بھی ہیں جنہوں نے اپنے رب کریم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ خندق کھودتے ہوئے مل کر وجد آفریں لہجہ میں وہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا   علی الجهاد ما بقینا ابدا

وہ صرف لاف زنی نہ تھی بلکہ جب وقت آیا تو انہوں نے سر کٹا کر، جان دے کر اپنے دعویٰ محبت کی لاج رکھ لی اور قیامت تک آنیوالے عاشقان باصفا کے لیے ایک زندہ مثال قائم کر دی۔ کسی قیمت پر انہوں نے اپنے ایمان پر حرف نہیں آنے دیا۔

۳۶؎ نَحْبٌ کہتے ہیں نذر اور عہد کو۔ لبید کا شعر ہے:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

(اس جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزا دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث ۵۲ اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمائے ۵۳ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور دنا کام لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے

دیا تھا کہ ان کی پہچان ہو سکے۔ ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا۔

چہ بیک دم و کر وند زیب فتراکش

خوشا نصیب غزالے کہ زخم او کار یست

۵۱ اور جو لوگ میدانِ جہاد سے سلامت واپس آئے انہیں اپنے صحیح وسلامت واپس آنے پر خوشی نہیں ہے بلکہ وہ شہادت سے محرومی کے باعث بجھے عزدہ اور دل گرفتہ ہیں اور وہ اس سہانی گھڑی کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ خونِ شہادت سے سرخرو ہو کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔

انہی جانثاروں کی بے لوث اور بے دریغ قربانیوں کے باعث اسلام کو یہ عزت وشوکت نصیب ہوئی۔ انہوں نے اپنے خونِ ناب سے آبیاری کر کے شجرِ اسلام کو سدا بہار بنایا۔ انہی کی کوششوں کی برکت سے آج ہمیں ایمان کی نعمت نصیب ہے لیکن اُمت میں ایک ایسا بدقسمت فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو خود تو اسلام کے لیے کچھ کر نہیں سکتے، اُلٹا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسلام کے لیے باعثِ ننگ وعار ہیں، ہر قدم خلافِ شریعت اُٹھاتے ہیں، سنتِ نبوی علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں، شکل، عمل، سیرت اور کردار اسلام کا منہ چڑا رہے ہیں، لیکن ان وفا شعار غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا اور دین کے جانفروش سپاہیوں پر زبانِ طعن دراز کرنا کمالِ ایمان خیال کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان اولوالعزم ہستیوں کو جتنا بُرا کہیں گے اتنا ہی ان کے گناہ جھڑیں گے اور ان کے رُتبے بلند ہوں گے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ زبانِ قدرتِ قرآن کی تعریف میں رطب اللسان ہے، قرآن کے صفحات تو ان کی پاک باطنی کی شہادت دے رہے ہیں، فرشتے ان کی شجاعت، بسالت، سخاوت اور عدالت کی قسمیں کھا رہے ہیں، حوریانِ فردوس ان کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھانے کے لیے بے بیتاب ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا بے عمل انسان ان پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتا۔

۵۲ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اپنی شانِ کریمی کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

۵۳ باقی رہے منافقین تو ان کے متعلق جیسی اس کی مرضی ہو گی ایسا کرے گا، چاہے تو ان کی بداعمالیوں کے باعث انہیں قعرِ ضلالت میں گرا ہوا چھوڑ دے۔ اسی حالت میں انہیں موت آ جائے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں۔ اور چاہے تو اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دے اور راہِ حق پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دے۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اس کی شانِ پذیرش پذیری اور اس کی صفتِ رحمت سے یہ چنداں بعید بھی نہیں کہ وہ ایسا کرم فرما دے اور ڈوبتے ہوؤں کا بازو پکڑ کر

كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ

[illegible]

وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ

اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور [illegible] ہے۔ اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے

الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا

انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم

تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

قتل کر رہے ہو اور [illegible] گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں کا [illegible]

[illegible]

نکلنے لگے۔ حضور گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام "لحیف" تھا۔ تیس صحابہ کے ایک دستے نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اردگرد حلقہ بنا لیا جن کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا وہ پیادہ چل پڑے۔ اس روز لشکر اسلام کا پرچم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا گیا۔ یہ لشکر جلد ہی بنو قریظہ کی گڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے نزدیک پرچم گاڑ دیا۔ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیے اور مرد و زن چھت پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ حضرت اُسید بن حضیر نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا: يَا أَعْدَاءَ اللهِ لَا نَبْرَحُ عَنْ حُصُونِكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا جُوعًا۔ کہ اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم بھوک سے مر جاؤ گے۔ انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ حضور نے رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مختلف مقامات پر تیر انداز بٹھا دیے۔ یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا موثر جواب دیتے رہے۔ جب ان کی شرارت شدت اختیار کرنے لگی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخش دی گئی۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس نے آکر کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنو نضیر کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دی تھی، انہی شرائط پر ہمیں بھی یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیجیے۔ ہم اپنی عورتوں، بچوں اور بار شتر کے ساتھ مدینہ چھوڑ جاتے ہیں باقی ہر چیز آپ سنبھال لیں۔ حضور نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا ہم سارا مال و متاع یہاں چھوڑ جاتے ہیں صرف ہماری جان بخشی کی جائے۔ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ اگر ماننے کے لیے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جا سکتی ہے۔ وہ مشورہ کرنے کے لیے قلعہ میں واپس گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا، اے میری قوم! تین تجویزیں ہیں ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو۔ انہوں نے پوچھا بتائیے۔ اس نے کہا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اب اس امر میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہی رسول مکرم ہے جس کی بشارت اور ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ آج تک محض حسد کے باعث ہم ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اب وقت ہے ایمان لے آؤ تم۔ تمہارا بال بچہ اور مال و متاع سب بچ جائیگا اور نعمتِ ہدایت سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے (یہی تو مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس بدبخت (حُیَیّ بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کی نحوست نے ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کیا۔ قوم نے کہا کہ ہم ایمان تو کسی قیمت پر لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس نے کہا دوسری تجویز یہ ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو، نتیجہ دیکھا جائے گا۔ قوم نے کہا ان معصوم بچوں اور عورتوں کو بلا گناہ ذبح کر دینا کہاں کی انسانیت ہے ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اس نے کہا تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے۔ مسلمانوں کو علم ہے کہ یہودی آج حملہ نہیں کریں گے، وہ بالکل مطمئن اور بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے۔ آؤ ان کی اس بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ان پر حملہ بول دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے دیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو ہمیں سبت کی بے حرمتی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ پہلے جن لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی انہیں اس کی جو سزا ملی۔ ان کے سردار کعب نے کہا: مَا بَاتَ مِنْكُمْ مُنْذُ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ لَيْلَةً وَاحِدَةً حَازِمًا۔ تم سب ہمیشہ سے گومگو کا شکار رہتے

[illegible]

ع ۷ ۱۹ اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۷﴾

ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے ۴۲ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا

اے نبی مکرم! آپ فرمادیجیے اپنی بیویوں کو ۴۳ کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو

تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ فرمایا ہے چنانچہ ان کو ان کی غداری، عہد شکنی اور دشمن سے ساز باز کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ ظاہر: عاون، مدد کرنا۔ صیاصی جمع ہے اس کا واحد صیصۃ ہے اس کا معنی قلعہ اور گڑھی ہے۔

۴۲ تمہیں ان کی زمینوں اور مکانوں اور مال و متاع کا وارث بنا دیا اور ایسی زمین کی فتح بھی تمہارے مقدر میں لکھ دی جہاں تک ابھی تم نہیں پہنچے۔

۴۳ فخر کائنات، باعث ایجاد عالم، سلطان دنیا و دین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی صرف آرام و آسائش کے اسباب سے ہی خالی نہ تھی بلکہ ضروریات زندگی بھی اکثر فراہم نہ ہوتی تھیں۔ مسلسل کئی کئی دنوں تک چولہے میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی اور کھجور وغیرہ پر بسر اوقات کی جاتی۔ اکثر جو کی روٹی یا گندم کے ان چھنے آٹے کی روٹی دستر خوان کی زینت ہوتی۔ لباس کا معاملہ بھی خوراک سے مختلف نہ تھا۔ موٹا جھوٹا جیسا میسر آیا خود بھی پہن لیا اور امہات المومنین کو بھی دے دیا۔ مسلمانوں کے مالی حالات جب تک ناساز گار رہے۔ امہات المومنین بڑے صبر و شکر سے یہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں۔ کوئی مطالبہ نہیں کوئی فرمائش نہیں۔ کسی چیز کے نہ ملنے کا شکوہ نہیں۔ شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی رفیقہ حیات بننے کی سعادت پر زندگی کی ساری مسرتیں اور راحتیں انہوں نے قربان کر دی تھیں۔ اگرچہ وہ سب کی سب امیر والدین کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابو بکر صدیق کی نور نظر تھیں جو مکہ کے خوشحال اور کامیاب تاجر تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروق اعظم کی لخت جگر تھیں جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ اسی طرح دیگر ازواج مطہرات کا بھی حال تھا۔ ماں باپ نے انہیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس وقت وہاں کے معاشرہ میں جن آسودگیوں کا تصور کیا جا سکتا تھا وہ سب انہیں میسر تھیں اور ان کی پہلی ازدواجی زندگی بھی امیرانہ بلکہ شاہانہ ماحول میں بسر ہوئی تھی یکایک اس فرحت انگیز اور آرام بخش زندگی کو ترک کر کے امہات المومنین نے درویشانہ زندگی کو جس خوشی سے اپنایا اور جس خوبصورتی سے اسے نبھایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ وہ اس فقر و درویشی کی زندگی پر ناز کرتیں اور ان ساری کلفتوں کو اپنے لیے دارین کی سعادتوں کا باعث سمجھتیں۔

لیکن جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مال غنیمت کثرت سے تقسیم ہونے لگا۔ عام مسلمانوں کی معاشی حالت تیزی سے بدلنے لگی۔ خصوصاً مدینہ کے یہودی قبائل بنی نضیر، قینقاع اور قریظہ کا مال و متاع، ان کی زرعی زمینیں، باغات اور رہائشی مکانات مسلمانوں میں بطور غنیمت تقسیم کیے گئے تو مسلمانوں کی سابقہ محرومیاں اور تنگ دستیاں قصہ ماضی بن گئیں۔ مسلمان خواتین کی بود و باش اور لباس و خوراک میں بھی خوش آئند تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ اس وقت امہات المومنین نے اقلیم فقر و غنا کے تاجدار کے سامنے دامن طلب پھیلایا۔ علامہ ابو حیان لکھتے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۲۸﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کردوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ۵۴ اور اگر تم چاہتی ہو

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا

اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے انکے لیے جو تم میں نیکوکار ہیں

عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ

اجر عظیم ۵۵ اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے

يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۳۰﴾

عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ۵۶

۵۴ یعنی اگر تم دنیا اور متاعِ دنیا کو پسند کرو گی تو پھر کاشانۂ نبوت کی زینت نہیں بن سکتیں۔ تمہیں علیحدہ کردوں گا لیکن علیحدگی بڑی خوبصورتی سے اور آبرومندانہ طریقے سے ہوگی۔ یہاں سے یہ سبق بھی دیا گیا کہ اگر تعلقات منقطع کرنے کا موقع آجائے تو اس وقت بھی تمہارے ہاتھوں سے شائستگی کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

۵۵ تمام ازواجِ مطہرات نے بصد مسرت اپنے مطالبات ترک کردیئے اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور دارِ آخرت کو پسند فرمایا اور وہ اس بشارت کی مستحق ہوگئیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

صد حیف! ان کم فہموں اور بدبختوں پر جو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پڑھ کر بھی ازواجِ مطہرات کی شان میں گستاخی اور ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے۔

۵۶ تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویاں ہو۔ ساری اُمت کی بچیوں اور خواتین کے لیے تمہاری زندگی ایک نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا بڑا اونچا مقام ہے، لیکن اس رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کے تقاضے پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ خبردار! تمہارے اُجلے دامن پر کوئی داغ لگنے نہ پائے۔ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو یاد رکھو تمہیں اس کی سزا بھی دگنی دی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا

[illegible]

أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ

[illegible]

كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ

[illegible]

الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فالقول المعروف [illegible] (قرطبی)

بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ

گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دورِ جاہلیت میں رواج تھا ۴۱ اور نماز قائم

۴۱ آیت میں جو اہم الفاظ ہیں پہلے ان کا مفہوم ذہن نشین کر لیجیے۔ اس کے بعد اس آیت کا مقصد اور مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔ وَقَرْنَ : یہ لفظ یا قرار سے ماخوذ ہے یا وقار سے دونوں سے مقصد یہ ہے کہ اُمہات المومنین کو اپنے گھروں میں سکون و وقار سے ٹھہرے رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور بلا ضرورت گھروں سے نکلنے کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے اور زمانہ جاہلیت میں عورتیں جس طرح بن ٹھن کر بازاروں میں بے حجاب پھرا کرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں اس سے سختی سے روکا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہاں خطاب صرف ازواج الرسول سے ہے لیکن اُمت کی ساری خواتین کے لیے یہی حکم ہے۔ تَبَرُّج، علامہ ابن منظور اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر اُونچی چیز جو دُور سے نمایاں ہو اس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وکلّ ظاھرٍ مرتفعٍ وقد برج۔ (لسان العرب) بروج کو بھی بروج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دُور سے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی سے تبرج ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے عورت کا اپنے حسن و جمال اور آرائش کو غیر مردوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ التبرج اظہار المرأۃ زینتھا و محاسنھا للرجال۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سرِ بازار ٹہلا کرتی تھیں۔ اس سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اسلام کے نزدیک عفت و عصمت کی جو قدر و منزلت ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ احکام صادر فرمائے جا رہے ہیں۔ ان راستوں کو ہی بند کیا جا رہا ہے۔ ان اسباب کا ہی قلع قمع کیا جا رہا ہے جن کے ذریعہ اس متاعِ گرانمایہ کے لٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کوئی زیرک قیمتی جواہرات رکھ کر اپنے گھر کے دروازے چوروں کے لیے نہیں کھولتا۔ جو لوگ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کے گھروں کی خواتین، ان کی بچیاں، بہنیں پختہ کردار کی مالک ہیں، وہ اگرچہ قیمتی اور بھڑکیلے ملبوسات پہن کر بے پردہ گھومتی رہیں تو ان کی عزت و آبرو پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ انہیں ہم نرم سے نرم الفاظ میں "بھولا" کہہ سکتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھولا پن انہیں ایک روز ایسے گڑھے میں پھینک دے گا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ فطرتِ انسانی کے حیوانی تقاضوں کی شدت سے ان کی دانستہ چشم پوشی انہیں ایسے بھیانک نتائج سے دوچار کرے گی کہ ان کا قلبی سکون برباد اور ذہنی توازن بگڑ کر رہ جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے جب چڑیاں کھیت چگ گئی ہوں گی۔ اس وقت وہ زار زار روئیں گے لیکن ان کو اپنے درد کا درماں نہیں ملے گا۔

اسلام نے مسلمانوں کو جو ثقافت اور تہذیب عطا کی ہے، وہ قرآن آیات میں مذکور ہے۔ اب اگر ہمارے قائدین اپنی ملت کی بچیوں کو کوئی دوسری ثقافت سکھانا چاہیں اور مغربی تمدن و معاشرت کے آداب کی تعلیم دینا چاہیں تو ان کی مرضی۔ اسلام نے قرآن نے اور حاملِ قرآن نے تو مسلمان عورتوں کے لیے اس حیا سوز اور غیرت باختہ طرزِ معاشرت سے سختی سے روکا ہے۔ بزار نے حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ عورتیں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی :

یا رسول اللہ! مرد ساری فضیلتیں لے گئے۔ جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے۔ کیا کوئی عمل ایسا ہے

جو گھر میں رہتی ہیں ان کو مجاہدین کا اجر حاصل ہوگا۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ من قعدت منکن فی بیتہا فانہا تدرک عمل المجاہدین فی سبیل اللہ۔ (تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں (پردہ کر کے) بیٹھی رہے گی وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا اجر پائے گی۔ (روح المعانی)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان المرأۃ عورۃ فاذا خرجت من بیتہا استشرفہا الشیطان واقرب ما تکون من رحمۃ ربہا وہی فی قعر بیتہا (یعنی عورت کا مقام ستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانک کر تکتا ہے اور جب تک گھر کے اندر رہتی ہے وہ رحمت الٰہی سے قریب تر ہوتی ہے۔

پاکستان جیسے مملکت اسلامیہ ہونے کا دعویٰ ہے وہاں مرد و زن کا یہ بے حجابانہ اختلاط ... تعلیم و ملازمت اور دیگر شعبوں میں ... رہے ہیں ... اسلام کی تہذیب و ثقافت ... اسے ختم کرنے کے درپے ہے۔

نیز حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی یہاں کچھ عرض کر دینا مناسب ہوگا۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو گھروں میں ٹھہرے رہنے کی تاکید کی تھی۔ حضرت عائشہ نے اس کی خلاف ورزی کی اور گھر سے نکل کر بصرہ گئیں۔ وہاں سے جمل کا معرکہ پیش آیا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگ لڑی۔ یہ حکم الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے اور ارتکاب گناہ ہے۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ حضرت ام المؤمنین کی نیت نہ فتنہ و فساد برپا کرنے کی تھی نہ جنگ و قتال کی۔ اس آیت کے نزول کے بعد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں امہات المؤمنین سفر حج و عمرہ کے لیے جاتی رہیں۔ کسی نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان کا ایسا کرنا ممنوع ہے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت سے مقصود گھروں سے نکلنے کی ممانعت نہیں بلکہ بلا ضرورت ... گھر سے باہر نکلنا ممنوع ہے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بھی ... کسی ضرورت کے پیش نظر تشریف لے گئیں ... آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت اسماء کے فرزند اور آپ کے ... حضرت ام کلثوم ... کے بیٹے بھی ساتھ تھے۔

حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ جب ... حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ... اور مدینہ طیبہ میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے تھے ... حضرت علی کے ... حضرت عائشہ ... اصلاح ... ان حالات میں ... حضرت طلحہ و زبیر ... کے پاس ...

عمرہ رضی اللہ عنہم کئی دوسرے صحابہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آگئے اور آکر بتایا کہ حضرت عثمان کو شہید کر دینے کے بعد باغیوں نے بڑی ڈینگیں مارنی شروع کر دیں اور خلیفہ شہید کو گالیاں بکنے لگے۔ جس سے یہ لوگ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور ان ظالموں کو ان کی قبیح اور مذموم حرکتوں پر سرزنش کی۔ وہ باغی اپنی طاقت کے نشہ میں اس قدر مخمور تھے کہ انہوں نے ان حضرات کا صفایا کرنے کا بھی منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ انہیں اس امر کا بھی احساس ہوا کہ اگر وہ باغی انہیں قتل کرنا چاہیں گے تو ان کو کوئی روک نہیں سکے گا اس لیے وہ مکہ چلے آئے۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ جب تک حالات پُرسکون نہ ہو جائیں اور حضرت علی ان ظالموں کو اپنے ہاں سے دُور نہ بھگا دیں اس وقت تک ہمیں واپس نہیں جانا چاہیے فی الحال کسی محفوظ مقام پر ٹھہر کر حالات کے رُوبہ اصلاح ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے عارضی قیام کے لیے بصرہ کو منتخب کیا۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کے لشکر موجود تھے۔ ان حضرات نے حضرت اُمّ المومنین کو بھی بصرہ جانے پر مجبور کیا تاکہ آپ کی معیت سے حالات کو معمول پر لانے میں مدد ملے کیونکہ ہر دل میں ان کی عظمت اور ان کا احترام موجود ہے۔ آپ بھی صرف اس خیال سے ان کے ساتھ بصرہ جانے پر آمادہ ہوئیں کہ ان کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی جلیل القدر صحابہ باغیوں کی دست درازی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ان باغیوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے بڑے غلط رنگ میں یہ خبر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کی اور آپ کو چڑھائی کرنے پر برانگیختہ کیا۔ وحملوہ علی ان یخرج الیھم ویعاقبھم۔ حضرت امام حسن، امام حسین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہنوز یہ اقدام مصلحت کے خلاف ہے اور ہمیں انتظار کرنا چاہیے تاکہ صحیح حالات معلوم ہو جائیں لیکن تقدیر الٰہی میں کچھ اور تھا حضرت علی نے اپنے فرزندوں اور مخلص محبّوں کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب بصرہ کے قریب پہنچے تو امیر المومنین نے قعقاع کو اُم المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کی: یا اُمّاہ ما اشخصكِ واقدمكِ هذه البلدة۔ اے مادر محترم! آپ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے یعنی کیا آپ اس پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئی ہیں۔ فقالت ای بُنیّ الاصلاح بین الناس — میرے فرزند! میرے یہاں آنے کا مقصد تو اس آتش فساد کو بجھانا اور لوگوں کے درمیان صُلح کرانا ہے۔ آپ نے وہیں حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی بُلا لیا۔ قعقاع نے ان حضرات سے پوچھا صلح کی پھر کیا صورت ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اقامة الحد علی قتلة عثمان وتطییب قلوب اولیائه۔ قاتلانِ عثمان سے قصاص اور آپ کے وارثوں کے دلوں کو خوش کرنا۔ قعقاع نے کہا یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک باہمی انتشار ختم نہیں ہوتا ہم سب متحد ہو جائیں، فتنہ وفساد کی آگ بجھ جائے، حالات معمول پر آجائیں تو پھر ان باغیوں سے انتقام لیا جا سکے گا۔ اس لیے پہلے آپ لوگ صلح کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کریں۔ قالا اصبتَ و احسنتَ۔ طلحہ و زبیر نے کہا اے قعقاع تم نے بجا کہا ہے اور نہایت عمدہ بات کی ہے۔ ہم صلح کے لیے کلیۃً آمادہ ہیں۔ قعقاع نے واپس جا کر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کیا اور ان حضرات کے صلح کرنے کی خواہش سے حضرت امیر المومنین بڑے خوش ہوئے۔ فسُرّ به واستبشر۔ صُلح ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہا۔ اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

تین راتیں گزر گئیں۔ اگلے روز صلح کا اعلان ہونے والا تھا اور صبح سویرے حضرت امیر المومنین اور حضرات زبیر و طلحہ کی ملاقات کا پروگرام بن چکا تھا۔ جب قاتلانِ عثمان کو ان حالات کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی سلامتی مسلمانوں کے

ابھی لشکر [illegible] حضرت امیر المؤمنین [illegible]

[illegible]

اسی [illegible] امیر المؤمنین [illegible]

[illegible]

یہ جنگ [illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

حضرت [illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

اس [illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

اس کے بعد حضرت [illegible]

سے بھیج جاتا۔

حضرت امیر المومنین کو بھی اس اچانک لڑائی پر از حد افسوس تھا۔ اس معرکہ میں اپنے لشکر کی فتح پر آپ کو قطعاً کوئی خوشی نہ تھی۔ جنگ ختم ہوئی، آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ قدم قدم پر بہادر اور غیور جوانوں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے تو فرطِ غم سے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ یالیتنی مِتُّ قبل هذا وکنت نسیاً منسیاً۔ کاش! اس سے پہلے میری زندگی کا چراغ بجھ گیا ہوتا اور میں بھلا دیا گیا ہوتا۔

دشمنانِ اہلِ بیت کی طرف سے حضرت صدیقہ پر یہ الزام بھی بڑی شد و مد سے لگایا جاتا ہے کہ پہلے آپ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر اُبھارا کرتی تھیں اور آپ کو ایک یہودی "نعثل" کے نام سے پکارا کرتی تھیں اقتلوا نعثلا فقد فجر۔ نعثل کو قتل کر دو وہ فاسق ہو گیا ہے اور جب ان کے اکسانے پر لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا تو آپ قصاص کا مطالبہ کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ امیر المومنین سے جنگ شروع کر دی۔ اس اعتراض کو دُور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے۔

حضرت علامہ محمود البغدادی الآلوسی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ کذبٌ لا اصل له وهو مفتریات ابن قتیبة وابن اعثم الکوفی والسمساطی وکانوا مشهورین بالکذب والافتراء۔ یعنی یہ روایت سراپا کذب و افترا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ ابن قتیبہ، ابن اعثم الکوفی اور سمساطی کی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ہے اور یہ لوگ جھوٹ اور افترا پردازی میں مشہور تھے ایک جھوٹی روایت کو سند بنا کر حضرت ام المومنین پر اعتراض کرنا حد درجے کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اسی طرح یہ الزام بھی اعلیٰ بے بُنیاد ہے کہ حضرت صدیقہ کے دل میں امیر المومنین سے بغض و عناد تھا اسی وجہ سے آپ نے اُن سے جنگ کی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت صدیقہ کبھی حضرت امیر المومنین کے مناقب اور اوصافِ جمیلہ بیان نہ کرتیں۔ حالانکہ آخر دم تک حضرت سیدنا علی کے اوصافِ جمیلہ بیان کرتی رہیں۔

دیلمی نے یہ حدیث حضرت ام المومنین سے ہی روایت کی ہے۔ انها قالت قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم حُبُّ علیٍ عبادة کہ حضرت علی سے محبت عبادت ہے۔ اس واقعہ کے بعد بھی آپ حلفیہ بیان فرمایا کرتیں۔ والله ما کان بینی وبین علیٍ الا ما یکون بین المرأة واحمائها۔ یعنی خدا کی قسم میرے اور علی مرتضیٰ کے درمیان قطعاً کوئی ناراضگی یا دشمنی نہ تھی بجز اس کے کہ جو عورت اور سسرال والوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس جنگ کے اختتام کے بعد حضرت ام المومنین کو بڑی عزت و تکریم اور ادب و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ اس بات کا پورا انتظام کیا کہ راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ بصرہ کی معزز و محترم خواتین کو آپ کے ہمراہ روانہ کیا۔ آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ بھیجا اور سب کو تاکید فرمائی کہ ام المومنین کو راستہ میں کسی طرح کی بھی تکلیف نہ پہنچے۔ اس برتاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ امیر المومنین کے دل میں حضرت صدیقہ کا کتنا احترام تھا۔

جنگِ جمل کا واقعہ بیشک تاریخ اسلام کے ان المناک واقعات میں سے ایک ہے جس پر قلبِ سلیم آج بھی گریاں اور سوگوار ہے۔ لیکن ان انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی ان حضرات کے باہمی عزت و احترام کا یہ حال تھا۔

الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے

اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے ۔ اے نبی کے گھروالو! اور تم کو پاک صاف رکھے

تَطْهِيْرًا ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

صاف کردے گا ۔ اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں ۔

[illegible]

قطعاً خوشگوار معلوم نہیں ہوتی لیکن تمہارے انہی سادہ سادہ حجروں کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ وحی کے لیے چن لیا ہے اور یہ وہ اعزاز ہے جس سے شاہی محلات محروم ہیں، اس لیے اس نعمت کی قدر کرو اور جو وحی نازل ہوتی ہے اور حضور کی عملی زندگی کے جو حسین مناظر تمہیں دیکھنے نصیب ہوتے ہیں ان کو لوحِ دل پر نقش کرو اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو سیرتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگاہ کرتی رہو۔

یہ ہے اس آیت کا سیاق وسباق۔ اسے دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ آیت کے اس جملہ (انما یرید الله) میں بھی وہی مخاطب ہیں جن سے پہلے اور بعد میں خطاب ہو رہا ہے۔ اور وہ ازواجِ مطہرات ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اہل بیت سے بھی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

فرقہ وارانہ تعصب سے بلند اور خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان آیات کا یہی مفہوم ہے جو بلا تکلف سمجھ آتا ہے خدا بھلا کرے فرقہ وارانہ تعصبات کا کہ وہ حق فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیعہ حضرات کو اس بات پر اصرار ہے کہ اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات داخل نہیں اس سے مراد فقط حضرات خمسہ ہیں یعنی امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت سیدہ طاہرہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل انہوں نے پیش کیے ہیں وہ پیشِ خدمت ہیں۔ انہیں پڑھیے سنجیدگی سے ان میں غور کیجیے اور از روئے انصاف یہ فیصلہ کیجیے کہ راہِ حق سے کون بھٹک گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) آیت کے اس جملہ میں ضمیریں مذکر ذکر کی گئی ہیں۔ (عنکم اور یطھرکم) اگر ان کا مرجع ازواجِ مطہرات ہوتیں تو مؤنث کی ضمیریں ذکر کی جاتیں۔ عنکم کی بجائے عنکن اور یطھرکم کی بجائے یطھرکن ہوتا۔

(۲) آیت کے اس حصہ میں "بیت" واحد مذکور ہے۔ یہ چیز ازواج کی نفی کرتی ہے کیونکہ جہاں ان کے گھروں کا ذکر ہے وہاں بیت کی جمع بیوت مذکور ہے۔ جیسے وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِی بُیُوتِکُنَّ

(۳) اس سلسلہ میں جو بڑی وزنی بات انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ "انما" حصر کے لیے آتا ہے یعنی جو چیز اس کے بعد مذکور ہے اس کے لیے یہ فعل ثابت ہے اور جو مذکور نہیں اس سے یہ فعل منتفی ہے۔ نیز ارادہ کی دو قسمیں ہیں ارادہ محضہ یعنی وہ ارادہ جس کو مراد کا پایا جانا یا نہ پایا جانا مستلزم نہیں، دوسرا وہ ارادہ جس کے ساتھ مراد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی ایسا ارادہ جس پر تطہیر اور اذھاب رجس ضرور مترتب ہوگا۔ اس مقام پر ارادہ محضہ نہیں ہے کیونکہ ایسا ارادہ تو ہر مومن کے لیے ہے کہ وہ ہر ناپاکی سے منزہ ہو، ظاہری اور باطنی نجاستوں سے اس کا دامنِ حیات پاک ہو۔ اہلِ بیت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں حالانکہ یہ مقام مدحِ اہل بیت کا ہے۔ یہاں تو کسی ایسی چیز کا ذکر ہونا چاہیے جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ ارادہ کا دوسرا معنی ہے جس سے ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے لیکن ازواج کی عصمت کا کوئی بھی قائل نہیں، یہاں وہی لوگ مراد ہوں گے جن کی عصمت ثابت ہے اور وہ یہ حضرات خمسہ ہی ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہاں اہل بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں۔ امید ہے یہ پیچ در پیچ دلیل آپ نے سمجھ لی ہوگی۔

(۴) کتبِ اہلسنت میں بھی ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ازواج نہیں بلکہ حضرات خمسہ ہیں۔ شیخ الطائفہ طوسی نے التبیان میں اور شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اور اسی فرقہ کے دوسرے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی دلائل

بیان کیے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا [illegible]

جانتے ہیں کہ آیت اس طرح نہیں ہے۔

ان صاحبان نے جوتھی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہلسنت کی کتب میں بھی بکثرت ایسی احادیث ہیں جو اکابر صحابہ ابوسعید خدری، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع، اُمّ المومنین عائشہ، اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت سے مراد حضرات خمسہ ہی ہیں اور ازواج اہل بیت میں داخل نہیں۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ یہ آیت فقط ان حضرات قدسی صفات کے حق میں نازل ہوئی ان کے راوی مجروح اور ساقط الاعتبار ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے اور جن کے راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ ان میں کوئی تخصیص مذکور نہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امہات المومنین اور یہ حضرات سب اہل بیت ہیں۔ یہی حق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔

پہلی حدیث: حضرت انس سے مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے تشریف لاتے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے الصَّلٰوۃ یا اهل البيت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا۔ چھ ماہ تک حضور کا یہ معمول رہا۔

گزارش ہے کہ حضرت انس سے روایت کرنے والے کا نام علی بن زید ہے۔ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی رائے ملاحظہ فرمایئے: لیس بالقوی۔ منکر الحدیث عن الثقات وقال ابن عدی احادیثه لا تشبه احادیث الثقات (تہذیب التہذیب)

یعنی یہ قوی نہیں ہے۔ ثقات سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات ثقات کی احادیث سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث اور مروی ہے جس کے راویوں میں ابو داؤد ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے بارے میں لکھا ہے ابو داؤد الاعمی هو نفيع بن حارث كذاب۔ اندھے ابو داؤد کا نام نفیع بن حارث ہے وہ کذاب ہے بہت بڑا جھوٹا ہے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: متروک الحدیث ضعیف یضع الحدیث لیس بشیء کان یغلو فی الرفض۔ یعنی محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کردیا ہے یہ ضعیف ہے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے رفض میں بڑا غالی تھا۔ (تہذیب التہذیب)

تیسری حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ان سے یہ منقول ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت سیدہ کے ہاں گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں پوچھا۔ سیدہ نے بتایا کہ بارگاہ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور دونوں شہزادے بھی تھے۔ حضور نے دونوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا یہاں تک کہ گھر تشریف لائے پس شہزادوں کو اپنی رانوں پر بٹھایا اور سیدنا علی اور حضرت سیدہ کو اپنے قریب کیا۔ پھر ان پر اپنی چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی: انما یرید الله الآیہ پھر فرمایا: اللّٰهُمَّ هؤلاء اهل بيتي و اهل بيتي احق۔ یا اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہلبیت زیادہ حقدار ہیں۔ واثلہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی آپ کی اہلبیت میں سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: "وَ انت من اهلی" تو بھی میری اہل سے ہے۔ واثلہ کہا کرتے: "انها من ارجی ما ارتجی" یعنی حضور کا یہ ارشاد وَاَنْتَ مِنْ اَهْلِی۔ میرے لیے سب سے بڑی اُمید ہے۔

اس سند میں محمد بن مصعب ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق بھی علماء جرح کی رائے اچھی نہیں۔ [illegible]
[illegible] کہتے ہیں کہ اس شخص کا [illegible]
[illegible]

حضرت عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں حضرت ام سلمہؓ [illegible] کہ یہ آیت انما یرید اللہ [illegible] میرے گھر میں نازل ہوئی
اور حضرات خمسہ کے لیے خاص ہے۔ اس کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عبدالقدوس ہے جس کے متعلق علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے
قال ابن معین لیس بشیء رافضی خبیث۔ [illegible] رافضی ہے اور خبیث النفس ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ان حضرات پر آپ نے اپنی چادر ڈال کر [illegible] عرض کی [illegible] یا رسول اللہ
[illegible] اہل بیت میں سے [illegible] ازواج مطہرات کا اہل بیت میں شامل ہونا [illegible]
سے ثابت ہوا۔

ایک اور روایت جو ام سلمہؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی تو اس کے راوی عطیہ
ہیں اس کے متعلق بھی علماء کی رائے اچھی نہیں۔ [illegible] امام احمد کہتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] قرار دیا ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک اور حدیث مروی ہے [illegible]
[illegible] ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

اس تفصیل سے [illegible] کہ اس قسم کی احادیث [illegible] آیت [illegible] حضرات خمسہ کے
[illegible] احادیث کے [illegible]

قرآن کریم کی اس نص کا انکار کر دیا جائے اور سیاق و سباق سے جو معنی سمجھا جاتا ہے اس کی نفی کر دی جائے۔ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ نہ ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ جب وہ ایسے راویوں سے مروی ہوں جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

اب آئیے ذرا یہ دیکھیں کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے یا نہیں۔

ایک آیت تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارا کا ذکر ہے۔ گھر میں کوئی بچہ ہے نہ بچی۔ صرف حضرت سارا زوجہ خلیل ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے: رَحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت انه حمید مجید۔ (هود) کوئی آدمی بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ یہاں اہلبیت کے لفظ سے حضرت سارا کو نکال سکے۔ اسی طرح حضرت کلیم علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کے ہمراہ مصر واپس جا رہے ہیں۔ ان کا گزر وادی سینا سے ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی ہے۔ جاڑے کا موسم ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دُور سے ایک آگ جلتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "فلما قضیٰ موسیٰ الاجل وسار باهله آنس من جانب الطور نارا۔ قال لاهله امکثوا انی آنستُ نارا"۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ مقرر کی ہوئی مدت پوری کر لی اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوئے تو کوہ طور کی ایک سمت میں انہوں نے آگ دیکھی اور اپنے اہل کو کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے۔ یہاں بھی اہل سے بیوی اور بچے سب مراد ہیں۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے: قال لاهله امکثوا انی آنستُ نارا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سفر میں آپ کی زوجہ آپ کے ہمراہ نہ تھیں۔ قرآن کریم کی ان متعدد آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہلبیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرنے پر مصر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کی داد دینی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اعطی الآهل حظین والعزب حظًا۔ الآهل الذی له زوجة وعیال۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آہل کو مالِ غنیمت میں دو حصے دیئے اور اکیلے آدمی کو ایک حصہ دیا۔ آہل کا معنی بتایا گیا ہے کہ جس کی بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں۔

آخر میں اہلِ لغت کی توضیح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں: اهل الرجل، اهل الدار ..... وقد اهل فلان یأهل ویأهِل اُهُولًا ای تزوج وکذلك تأهّل قال ابو زید آهلك الله فی الجنة ای ادخلکها و زوجك فیها (صحاح)

ہم اپنے محاورہ میں بھی بیوی کو اہل خانہ یا گھر والی کہتے ہیں۔ یہ حضرات فرمائیں کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کی زوجہ محترمہ آپ کی اہلبیت سے تھیں یا نہیں؟ حضرت شہربانو حضرت سید الشہداء کے اہل خانہ میں سے تھیں یا نہیں؟

آپ کی اپنی بیوی صاحبہ آپ کے اہلِ خانہ میں سے ہے؟ ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کو یہ کہہ کر تو دیکھیں کہ وہ آپ کی اہلِ خانہ یا گھر والی نہیں ہے تو آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ تو آپ کی اہلِ خانہ ہوں۔ اشہ کبار کی ازواج طاہرات ان کے اہل میں شمار ہوں۔ کیا آپ کو صرف حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات

إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

[illegible] مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ

مومن مرد اور مومن عورتیں [illegible]

وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ

[illegible] صابر مرد اور صابر عورتیں [illegible]

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ

خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، [illegible]

[illegible]

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ

کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا

اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا

ہے اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ۹۴ نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی

۹۴ یہ اُمت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے اس کے افکار اور اس کا کردار، نظریات اور اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں انہیں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ یہاں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ کے ہر مرد اور ہر عورت کو ان صفاتِ عالیہ سے متصف اور اخلاقی اور عملی لحاظ سے اس مقام رفیع پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں حکم کی صورت میں ان صفات کو ذکر نہیں کیا کہ یوں کرو اور ایسے بنو بلکہ حکایۃً بتایا گیا کہ اسلام کو قبول کرنے والے مرد اور عورتیں ایسی ہوا کرتی ہیں ① مسلمین اور مسلمات۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کے سامنے سر جھکا دینے والے، اپنے ہر کام کو اپنے ربِ کریم کے سپرد کر دینے والے، سراپا اطاعت و انقیاد، پیکرانِ تسلیم و رضا۔

② مومنین اور مومنات: یعنی اس دینِ قیم کے ہر حکم کی صداقت اور سچائی کو دل سے ماننے والے، ان کے عمل اور اعتقاد میں تضاد کی بو تک نہیں۔ جس ضابطۂ حیات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دل کی گہرائی سے وہ اس کی عظمت اور افادیت کے قائل ہیں، ان کے ہاں کسی ذہنی کشمکش کا نام و نشان تک نہیں۔ اس اُمت کے مرد ہوں یا عورتیں۔ ان کا عقیدہ بھی ایک ہے اور ان کا عمل بھی یکساں ③ قانتین اور قانتات: وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جی میں آیا تو دست بستہ حاضر ہو گئے اور جی نہ چاہا تو ہفتوں غیر حاضر رہے۔ قنوت ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جس میں نافرمانی کی آمیزش نہ ہو۔ القنوت: القیام بالطاعۃ التی لیس معہا معصیۃ (لسان العرب) ④ صادقین اور صادقات: وہ قول میں بھی سچے ہیں اور عمل میں بھی کھرے ہیں۔ نہ ان کی زبان پر ایسی بات آتی ہے جس میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہو اور نہ ان کے عمل میں کھوٹ پن کی ملاوٹ پائی جاتی ہے ⑤ صابرین اور صابرات: جس راہ کو انہوں نے حق یقین کر لیا ہے اور جو منزل انہوں نے اپنے لیے مقرر کی ہے اس کی طرف ثابت قدمی سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ راہ میں پیش آنے والی مشکلات نہ انہیں ہراساں کر سکتی ہیں اور نہ منزل سے رُخ موڑنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ نہ وہ نیک اعمال میں سستی کرتے ہیں اور نہ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ ہونے دیتے ہیں۔ وہ بڑی سختی سے اپنے طے کیے ہوئے لائحہ عمل پر کاربند ہیں اور بڑے ذوق شوق سے اپنی منزل کی طرف رواں ہیں ⑥ خاشعین اور خاشعات: اس کے باوجود غرور و نخوت کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ عجز و انکسار ان کا شیوہ ہے۔ جلوت و خلوت میں یہی ان کا شعار

⑦ متصدقین اور متصدقات: اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے اور صدقات دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرنا اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتے ہیں

مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو انہیں کوئی اختیار رہے اس

مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا

معاملہ میں ۞ اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا

۞ صائمین اور صائمات، فرضی روزے تو رکھتے ہیں اور نفلی روزے رکھنے کا شوق بھی [illegible] ۞ الحافظین والحافظات [illegible]

۞ ذاکرین اور ذاکرات [illegible]

حضرت امام مالک [illegible]

[illegible]

آپ نے ان صفات کی تفصیل [illegible]

۞ حضرت قتادہ، مجاہد، ابن عباس اور دیگر مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی [illegible] حضرت زینب بنت جحش [illegible]

مُّبِيْنًا ۝ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

ہو گیا ۶۶ اور یاد کیجیے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات

مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۗ فَلَمَّا قَضٰى

جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے

زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

ڈریں ۶۷ پھر جب پوری کر لی زید نے اس سے (طلاق دینے کی) خواہش تو ہم نے اسکا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عمل سے) ایمان والوں

حضرت زینب اور ان کے بھائی عبد اللہ نے سُنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کا نکاح حضرت زید سے پڑھا دس دینار مہر ادا کیا کچھ پارچات، گھریلو ضرورت کا سامان اور خورد و نوش کی چیزیں ان کے ہاں بھیج دیں۔

اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے کسی مسلمان فرد، قوم، حکومت یا حکومت اسلامیہ کے مقرر کیے ہوئے کسی کمیشن اور قانون ساز ادارہ کو اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو نظر انداز کر کے اپنے لیے کوئی نئی راہ عمل تجویز کرے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اطاعت رسول کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ ایک طرف ہم سچے مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف ادنیٰ سے فائدہ کے لیے ہم احکام اسلام کو بڑی آسانی سے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہماری اس دو عملی روش کے باعث اسلام رسوا ہو رہا ہے اور ہم اس چشمۂ فیض سے فیضیاب نہیں ہو رہے بلکہ دوسروں کی محرومی کا باعث بن رہے ہیں۔

۶۶ یہاں صاف فرما دیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کے رسول مکرم کے حکم سے سرتابی کی وہ کان کھول کر سن لے کہ وہ راہ راست سے بھٹک گیا، رشد و ہدایت کے اجالے سے نکل کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محرومی سے بچائے۔ آمین

۶۷ جو رسمیں کسی معاشرہ میں جڑ پکڑ جاتی ہیں لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے دست کش ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ رسمیں لغو اور بیہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش و فہم اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

[illegible]

[illegible] کے جائیں گے۔

[illegible] اس کا خاتمہ کر دیا۔

واقعہ کی صحیح صورت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے بلاکم و کاست پیش کر دی گئی۔ لیکن یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے مؤرخ، محقق اور مستشرق کا لباس اوڑھ رکھا ہے تاریخ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو یوں اچھالا اور اسے ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ دار ان کے دام فریب میں پھنس گئے اور دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے! قرآن کریم کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنی بدباطنی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نشاندھی کریں تاکہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے۔

بعض غلط اور بالکل باطل روایات کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا۔ تو ایک روز اچانک حضور ان کے گھر تشریف لے گئے وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت زینب بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ اچانک جب ان پر نظر پڑی تو حضور ان پر فریفتہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے، سُبحان اللہ مقلب القلوب، پاک ہے دلوں کو بدلنے والا۔ یہ آواز حضرت زینب نے سن لی۔ زید آئے ساری بات کہہ سنائی۔ حضرت زید نے یوں ہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں تاکہ حضور ان سے نکاح کر سکیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضور نے زبان سے تو یہ فرمایا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے لیکن حضور کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق دے دے تو حضور ان سے نکاح کریں۔ محض ظاہر داری کے طور پر نبی کریم نے انہیں طلاق دینے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم زبان سے کچھ کہتے ہو اور دل میں کچھ چھپاتے ہو۔ میں تمہارے دل کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ان بدباطنوں نے اس آیت کے ان جملوں "امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ" کا یہی معنی لیا ہے اور اپنی خبث باطنی کے باعث بارگاہ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں گستاخی کی جرأت کی۔ دل ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یاوہ گوئی کو لکھنے کی جرأت کرے لیکن جب تک اسے لکھا نہ جاتا اس کا رد ممکن نہ تھا۔ میں آپ کو ایک عقیدتمند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجائے گی۔

اگر حضرت زینب ایک اجنبی خاتون ہوتیں، کسی غیر قبیلہ کی فرد ہوتیں جنہیں حضور نے کبھی نہ دیکھا ہوتا تو پھر ان کی اس بے سروپا حکایت کو ماننے کی وجہ بھی ہوتی کہ اچانک دیکھا اور دل میں ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر جذبۂ الفت پیدا ہوا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں آپ حضور کی پھوپھی زاد ہیں، حضرت عبدالمطلب کی نواسی ہیں، حضور کے سامنے ولادت ہوئی، حضور کے گھر کے صحن میں ان کا بچپن گزرا، حضور کی آنکھوں کے سامنے وہ جوان ہوئیں۔ صبح و شام اپنی پھوپھی کے ہاں آمدورفت رہتی۔ کونسی ایسی بات تھی جس کا حضور کو علم نہ تھا۔ ان کی زندگی کا کونسا ایسا پہلو تھا جو حضور پر مخفی تھا اور اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان اُمڈ آیا۔ نعوذباللہ اور سنیے۔ حضرت زینب ان سعادتمند خواتین میں سے تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان سے مشرف ہوئیں پھر حضور کی ہجرت کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آگئیں۔

مزید غور فرمایئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت زید کے لیے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اور

ان کے حوالے سے بیان کیا کہ حضور اپنی ذات اقدس کے لیے رشتہ طلب فرما رہے ہیں اس خیال کے پیش نظر حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت [illegible] نے اس پیغام کو قبول کیا لیکن جب پتہ چلا کہ یہ پیغام زید کے لیے ہے تو [illegible] حالات پیدا ہوئے جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو کوئی ثقہ مورخ اور حقیقت پسند شخص اس داستان سرائی کو قبول نہیں کر سکتا کہ یہ بات کہ جب حضرت زینب کنواری تھیں اور حضور کے حرم کی زینت بننے کی [illegible] اپنے گھر کے لیے [illegible] محسوس کرتی تھیں اس وقت تو حضور کے دل میں کوئی اشتیاق پیدا نہ ہوا اور جب ایک سال [illegible] آپ کے [illegible] کے ساتھ [illegible] زندگی [illegible] ہو گئی [illegible] کر گئی۔

آپ یہ تو سمجھ گئے کہ قرآن کریم کے ان جملوں کا مطلب کیا ہے۔ ۱۔ امسک علیک زوجک واتق اللہ (اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) [illegible] ۲۔ تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ [illegible] بات تھی جسے حضور دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ ۳۔ تخشی الناس [illegible] لوگوں سے [illegible] خوف زدہ تھے۔

آپ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ آپ کے دل میں [illegible] جذبہ [illegible] تھا۔

حضرت زینب نے ارشاد نبوی کے مطابق حضرت زید سے نکاح تو کر لیا تھا لیکن [illegible] طبیعت کا تفاوت [illegible] [illegible]

[illegible]

اس [illegible] حضور [illegible] [illegible]

باطل کر دیتا ہے۔ ارشاد ہے: ما اللہ مبدیہ ۔یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا جسے حضور چھپا رہے تھے وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا وہی وہ چیز ہے جس کو حضور چھپا رہے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، کذب اور محض افتراء ہے۔ خود بتایئے کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا صراحتہً نہ سہی کنایۃً، لفظاً نہ سہی اشارۃً۔ اگر ایسی کسی بات کا نام و نشان نہیں تو پھر تخفی فی نفسک کا یہ معنی بیان کرنا جو ان لوگوں نے کیا ہے کتنی بڑی گستاخی ہے۔

وہ بات جسے حضور چھپا رہے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا، وہ کیا تھی، اس کے متعلق وضاحت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین علیٰ جدہٖ وعلیٰ ابیہ وجدہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ اوحی اللہ تعالیٰ ما اوحی اللہ تعالیٰ بہ ان زینب سیطلقہا زید وتتزوجہا بعدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین کالزھری وبکر بن علاء والقشیری والقاضی ابوبکر بن العربی وغیرھم (روح المعانی، قرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی فرمائی تھی کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ مفسرین میں سے اہل تحقیق کا یہی قول ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زوجنا کہا سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی حکمت بھی خود ہی بیان فرما دی کہ پہلے جو رسم چلی آرہی ہے کہ اپنے متبنیٰ کی زوجہ سے نکاح حرام ہے اس کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ لوگ اس رسم قبیح کے باعث جن پریشانیوں سے دوچار ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

ایک بار پھر وتخشی الناس کے کلمات پر بھی غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا کہ اس رسم بد کو ختم کرنے کے لیے اس کا فیصلہ یہ ہے کہ زید طلاق دے گا اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔ حضور جانتے تھے کہ کفار و منافقین اس پر بہتان طرازی کا طوفان برپا کر دیں گے۔ حقیقت کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور پراپیگنڈہ کا جو مؤثر موقع انہیں ملا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کی زبان درازیوں کے باعث ہو سکتا تھا کہ بعض کمزور ایمان والے پھسل جائیں۔ یہ اندیشہ تھا جو حضور دل ہی دل میں محسوس فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ایسے اندیشوں کو اس کا محبوب رسول پرکاہ کی بھی وقعت دے۔ جھوٹ کے طوفان باندھنے والے باندھا کریں۔ دین اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوگا۔ حضور کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی بدبخت ان کی ہرزہ سرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے اپنا رشتہ توڑتا ہے تو آپ کو میرے محبوب! کیا پروا ایک بار نہیں سو بار انہیں ٹوٹنے دو۔ اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

فلما قضٰی زیدٌ منہا وطراً کا مطلب یہ ہے کہ جب زید طلاق دے دے اور وہ عدت گزار لیں اور زید کا ان کے ساتھ رابطہ کلی طور پر منقطع ہو جائے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید حضرت زینب کو طلاق دینے کے لیے بڑے بے چین ہیں وہ اپنی اس خواہش کو پورا کر لیں۔ قضاء الوطر کنایۃ عن الطلاق۔

آخر میں ایک چیز کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ یورپ کے مستشرقین اور مؤرخین پر برس رہے ہو یہ باتیں انہوں نے اپنے پاس سے تو نہیں گھڑیں تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں اس میں ان کا کیا قصور؟ جواباً گزارش

فِیٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

[illegible]

مَفْعُوْلًا ۝ مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ

[illegible]

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مَقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ

ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی

اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ

سے اللہ تعالیٰ کے سوا ۷۹ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا نہیں ہیں محمد (فداہ رُوحی) کسی کے باپ تمہارے

رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

مردوں میں سے ۸۰ بلکہ وہ اللہ کے رسول ۸۱ اور خاتم النبیین ہیں ۸۲ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

حلال کی ہیں کسی کو حرف گیری کا حق نہیں پہنچتا۔ حضور سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو خصوصی رخصت عطا فرمائی تھی۔

۷۹ جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ منصبِ رسالت پر فائز کرتا ہے اور اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپتا ہے وہ حضرات صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے خوفزدہ ہونے لگیں تو وہ رسالت و نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ کسی کی خاطر احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں، تو ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے۔

۸۰ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب حریمِ نبوت میں رونق افروز ہوئیں تو بہتان تراشی کے جس طوفان کا اندیشہ تھا وہ امنڈ کر آ گیا اور بدباطن یہودیوں اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بہو کو اپنی زوجہ بنا لیا۔ کبھی ایسا اندھیر بھی ہوا تھا جیسے انہوں نے کر دکھایا ہے۔ چلو جانے دو رسم و رواج کو تو رہنے دو، وہ خود بھی آج تک یہی بتاتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کر سکتا۔ اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ اہلیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

ان کی اس ہرزہ سرائی کو قرآن حکیم نے اس ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ تم میں سے حضور کسی مرد کے باپ نہیں۔ جب باپ نہیں ہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا۔ وہ تو اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔ تمہارا یہ اعتراض محض تمہارے خبثِ باطن کی پیداوار ہے حقیقت سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

۸۱ باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ بیشک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی اُمت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں اولاد کی جسمانی اور مادّی دُنیا تک محدود ہوتی ہیں۔ رسول کی نگاہِ کرم سے اُمتی کا جسم اور رُوح، ظاہر اور باطن، دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روزِ حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔ یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ لیکن رسول کے لطف

حمایت سے دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا انتہائی نقصان ہوتا ہے۔

ختم نبوت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت شفقت کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر حضور کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور اپنی شفقت پدری کے سایہ سے دین اسلام کے سارے لوگ [illegible] رحمت [illegible] جب نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور حضور ہی اس سلسلہ [illegible] کی آخری کڑی ہیں تو آپ کی محبت اور شفقت کا تقاضا ہے کہ [illegible] سارے [illegible] کو بھی ختم کر دیا جائے [illegible] اصلاح [illegible] رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر [illegible] ہدایت کا [illegible] شامل ہے۔ [illegible] اور [illegible] کہاں پایا جائے گا [illegible] کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔

اگرچہ [illegible] سے امت مسلمہ کی [illegible] میں [illegible] کی ہے [illegible] کے [illegible] کہ اور [illegible] کے [illegible] کے باوجود سارے فرقے اس [illegible] پر [illegible] کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا [illegible] گزشتہ [illegible] میں جس [illegible] کیا [illegible] کے خلاف [illegible] ختم نبوت [illegible] مسیلمہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے [illegible] کے خلاف [illegible] اور جب [illegible] کے [illegible] کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے [illegible] حضرت صدیق نے [illegible] بھی اس [illegible] بیٹھ گئی [illegible] اسلام [illegible] کے انکار [illegible] کو [illegible] جہاں [illegible] رسول اللہ [illegible] ختم نبوت کے ساتھ [illegible] ختم الانبیاء والرسل کی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں اس نے جو [illegible] رسالت کا دعویٰ کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله [illegible] رسول ہے محمد رسول اللہ کی طرف لکھا جا رہا ہے۔

علامہ طبری نے اس [illegible] کی تشریح کی ہے کہ اس کے ہاں جو اذان دی جاتی تھی اس میں اشهد ان محمدا رسول الله بھی کہا جاتا تھا [illegible] حضرت صدیق نے اس کو [illegible] کے لیے [illegible] کی اور اس کو [illegible]

کر کے آرام کا سانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سر پھرے طالع آزما یا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی اس کو قتل کر دیا گیا۔

انگریزی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دو چار ہونا پڑا اسی طرح ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجے کا وفادار تھا، ملکہ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا، سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا، ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے۔ انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لیے بے جا نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لیے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بیشک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ان کے متفق علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے۔ اس سے انگریزی سیاست کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دلجمعی سے انجام دے سکتا تھا۔ اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے، وہاں ان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گوناگوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اتفاق اور قطعی اجماع رہا ہے جس طرح ایک مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید، قیامت، حضور کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لیے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث و تمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح و بسط سے لکھا جائے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقائے کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے۔ رہے وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لیے ملول نہیں ہونا چاہیے۔ ۔۔ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس

کے دعویٰ کو

ہمارے عقیدہ کی بنیاد ختم نبوت کا عقیدہ ایمان ہے:

"حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں، حضور کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا، اور جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو بدبخت اس کے اس دعوے کو تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور اسی سزا کا مستحق ہے جو اسلام نے مرتد کے لیے مقرر فرمائی ہے۔"

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں، اور جن میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، سب سے پہلے ہم قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لے کر فرمایا ہے کہ محمد، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں یعنی انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، جب علاء کرام کا اس میں اتفاق ہے تو پھر یہ طے ہو گیا کہ حضور مصطفیٰ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کسی نے نبی کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تکذیب کی اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے کسی ارشاد کو جھٹلایا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

خاتم النبیین کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے اہل لغت نے اس کا یہی معنیٰ لکھا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس علم لغت کی کوئی کتب کے علاوہ الصحاح للجوہری اور لسان العرب لابن منظور موجود ہیں جن کا شمار لغت عرب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے آئیے مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں۔ ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مؤلف علامہ ابو نصر اسماعیل الجوہری کا سن ولادت ۳۳۲ اور سال وفات ۳۹۳ھ یا ۴۰۰ھ ہے اور لسان العرب کے مؤلف علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری کا سن ولادت ۶۳۰ اور سال وفات ۷۱۱ھ ہے۔ یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لفظ انکار ختم نبوت سے صدیوں پہلے کی ہیں، اس کے متعلق یہ شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے بلکہ ان کا قول محض ان کی لغوی تحقیقات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔ پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمائیے ختم اللہ له بخیر خاتمہ اس کا خاتمہ بالخیر کرے وختمت القرآن بلغت آخرہ۔ یعنی میں نے قرآن کو ختم کیا اور اختتمت الشیء نقیض افتتحته یعنی افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔ والخاتم والخاتم بکسر التاء وفتحہا والختام والخاتمۃ عاقبۃ کل شیء آخرہ یعنی خاتم خاتم ختام خاتمہ سب کا ایک ہی معنیٰ ہے اور کسی چیز کے آخر کو خاتمہ الشیء کہتے ہیں۔ ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔

علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: ختام الوادی: اقصاہ وختام القوم وخاتمہم وخاتمھم۔

آخرھم و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم الانبیاء علیہ وعلیھم الصلوٰۃ والسلام۔ وادی کے آخری کونے کو ختام الوادی کہتے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو ختام خاتَم اور خاتِم کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے۔ لسان العرب میں التہذیب کے حوالے سے لکھا ہے: والخاتم والخاتَم من اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم وفی التنزیل العزیز ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین ای آخرھم ومن اسمائہ العاقب ایضًا ومعناہ آخر الانبیاء۔ یعنی خاتم اور خاتَم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیّین۔ یعنی سب نبیوں سے پیچھے آنے والا۔ اور حضور کے اسماء میں سے العاقب بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے۔

اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا معنی "آخری" ہے۔ اس معنی کی تائید کے لیے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے ختامہ مسك ای آخرہ مسك "یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریف قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آیت کا یہی معنی ابلغ اور شانِ رسالت کے شایان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم انبیاء پر مہر لگانے والے ہیں جس پر حضور نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہوگا اور جس پر مہر نہ لگائی وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مُہر یا مُہر لگانے والا مرقوم ہے لیکن انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر النبیّین ہے یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے مُہر سے مراد ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ یا کارڈ پر مُہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے مناسب کارروائی کے لیے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا۔ حالانکہ مُہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعًا اس کے خلاف ہے۔ کاش انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔

آئیے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ لسان العرب میں ہے: ختمہ یختمہ ختمًا وختامًا: طبعہٗ فھو مختوم ومختَّم شُدِّد للمبالغۃ۔ یعنی ختم کا معنی مُہر لگانا ہے اور جس پر مُہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختّم کہتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: ومن ختمہ وطبع فی اللغۃ واحد وھو التغطیۃ علی الشیء والاستیثاق من ان لا یدخلہ شیء کما قال جل وعلا: ام علی قلوب اقفالھا۔ اس عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے یعنی کسی چیز کو ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کوئی چیز داخل نہ ہو سکے۔

پہلے زمانہ میں خطوط اور دستاویزات وغیرہ پر لفافہ لگانے کے بعد اس کو بند کر کے مہر لگا دی جاتی تھی تاکہ اس کو کھول کر اس کے اندر کوئی چیز نہ رکھی جا سکے اور جب تک مہر نہ توڑی جائے کوئی چیز اندر سے باہر نکالی جا سکے نہ باہر سے اندر ڈالی جا سکے۔ اس اصطلاحی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اب آیت کے معنی پر غور کیجئے کہ اس آیت میں خاتم النبیین کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی ہے کہ آئندہ اب کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکے گا اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا تو پہلے مہر توڑنی پڑے گی اور جب مہر توڑنے کا ارتکاب ہو گا تو وہ سراسر حق کی خلاف ورزی شمار کیا جائے گا۔

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی اگرچہ مدد ملتی ہے لیکن اس مسئلہ میں آخری فیصل اور حجت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔

آئیے اب احادیث نبویہ کا مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خاتم النبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

خاتم النبیین کے معنی کی وضاحت کے لیے بے شمار صحیح احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں فقط چند احادیث یہاں درج کی جاتی ہیں جن کے پڑھنے میں ہدایت کی طلب ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل ہدایت کی راہیں ان کے لیے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دستگیری کرے گی۔

۱۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔

بخاری کتاب المناقب
باب خاتم النبیین

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی۔ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

اگر آپ اس ایک حدیث میں غور کریں گے تو ختم نبوت کے بارے میں آپ کو ہر شک دور ہو جائے گا جب ایک عمارت مکمل ہو

جاتی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کرائی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قصرِ نبوت مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں۔ بجز اس کے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لیے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقلِ سلیم اس کو گوارا کرے گی۔ قصرِ نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور اتنی معنی خیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختمِ نبوت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم نے کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں اور امام ترمذی نے کتاب المناقب اور ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

۲۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا و طھورا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون۔

(مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحر بے پیدا کنار (۲) رُعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی (۳) میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا اور (۶) میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

۳۔ حضرت انس ابن مالک سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعوے کو تسلیم کرنا سراسر کفر اور الحاد ہے۔

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یبعث نبیا الا حذّر امتہ الدجال وانا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم وھو خارج فیکم لا محالۃ۔

(ابن ماجہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی اُمت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ اب میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔ وہ ضرور تمہارے اندر ہی نکلے گا۔

اس حدیث سے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا آخر الانبیاء ہونا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

۵۔ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے:

قال النبي صلى الله عليه وسلم لو كان بعدي نبي لكان عمر بن الخطاب۔

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ حدیث نقل کی:

۹۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي انت مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک پر جاتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں پیچھے چھوڑا ... تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے اور اسی کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

۱۰۔ عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... وانه سيكون في امتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبي وانا خاتم النبيين لا نبي بعدي۔ (ابو داؤد، کتاب الفتن)

حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ...... میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فقد اخبر الله تبارك وتعالى في كتابه ورسوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في السنة المتواترة عنه انه لا نبي بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك دجال ضال مضل۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سنت متواترہ میں یہ خبر دی ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے [illegible] گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وكونه صلى الله تعالى عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب وصدعت به السنة واجمعت عليه الامة فيكفر مدعي خلافه ويقتل ان اصر۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن نے کی ہے جس کو سنت نے [illegible] اور جس پر امت کا اجماع ہے پس جو شخص اس کے خلاف دعویٰ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابن حیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ اپنی تفسیر بحر محیط میں رقمطراز ہیں:

ومن ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع او الى ان الولي افضل من النبي فهو زنديق يجب قتله وقد ادعى ناس النبوة فقتلهم المسلمون على ذلك وكان في عصرنا شخص من الفقراء ادعى النبوة بمدينة مالقة فقتله السلطان بن الاحمر ملك الاندلس بغرناطة وصلب حتى تناثر لحمه۔ یعنی جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کسبی ہے [illegible] یا ولی نبی سے افضل ہے وہ زندیق ہے [illegible]

ہے۔ آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا، وہ اسی حالت میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے اُمت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔ آخر میں ہم ختم نبوت پر عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ختم نبوت کے عقلی دلائل

(قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، جب حضور پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی ادنیٰ تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے، جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کی تشریح و توضیح کر رہی ہے، جب کہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کر رہی ہے، جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے۔ آفتاب محمدی طلوع ہو چکا، عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے۔ تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمائیے۔ نبی کی آمد کوئی معمولی واقع نہیں ہوتا کہ نبی آیا، جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے۔ کوئی کتنا نیک، پاکباز، پارسا اور عالم باعمل ہو اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ اور کفار و منکرین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔

اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجیے:

مسلمانوں کی تعداد کم سے کم اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کی آمد کے قائل ہیں۔ عملی طور پر غافل و کاہل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضروریات دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس اُمت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگان خدا بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند، عبادات کے سختی سے پابند رہے ہیں ان کے اخلاص و للٰہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اسی پاک اُمت میں اگر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے، چاہے بعض

[illegible]

خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لیے [illegible] مولانا صاحب کی [illegible] کا باعث بنی یا نحوست کا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت [illegible]

مولانا صاحب کے [illegible] اسلام [illegible]

[illegible]

اور موجب سعادت دارین ہے۔

[illegible]

نزول فرمائیں گے۔ جن احادیث میں نزولِ مسیح کے متعلق تصریح کی گئی ہے وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آیئے آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مبہم پیش گوئی نہیں کی۔ کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے، بلکہ نبی کریم نے اپنی اُمّت کو اس کا نام بتایا، اس کی والدہ کا نام بتایا، اس کے لقب سے خبردار کیا، اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا۔ جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا اس کی تفصیل بیان فرمادی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرما دیا اور اس کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسےٰ کی آمد کی خبر دی گئی ہے تو ان تفصیلات کو بھی من و عن صحیح اور سچ تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کرے گا تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدھی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظرانداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے۔

پہلی حدیث جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالےٰ نے اپنی کتب حدیث میں روایت کیا ہے:

۱- عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب و یفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ بن مریم، مسلم، باب بیان نزول عیسیٰ۔ ترمذی، ابواب الفتن باب فی نزول عیسیٰ۔ مسند احمد مرویات ابی ھریرۃ)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُس خدا کی قسم جس کے دستِ قُدرت میں میری جان ہے ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے۔ پھر وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو مار ڈالیں گے اور جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ اسے کوئی لینے والا نہ ہوگا اور (دینداری کا یہ عالم ہوگا) کہ اپنے پروردگار کی جناب میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

۲- امام بخاری نے کتاب المظالم باب کسر الصلیب میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی ینزل عیسیٰ بن مریم۔

اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم کا نزول نہ ہو۔

۳- مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابی ہریرہ سے منقول ہے:

فبینما ھم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا اقیمت الصلوٰۃ فینزل عیسےٰ بن مریم فامھم فاذا راہ عدو اللہ یذوب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکہ انذاب حتی

حضور علیہ السلام نے خروج دجال کے ذکر کے بعد فرمایا اس اثنا میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت

يهلك ويهلك الله بيده ويريهم دمه في حربته.

کریں گے اور دشمن خدا دجال ان کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اگر آپ اس کو اپنی حالت پر بھی چھوڑ دیں تب بھی وہ از خود پگھل کر رہ جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزہ میں اس کا خون ان کو دکھائیں گے۔

۴۔ عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ليس بيني وبينه نبي يعني عيسى وإنه نازل فإذا رأيتموه فاعرفوه رجلا مربوعا إلى الحمرة والبياض بين ممصرتين كأن رأسه يقطر وإن لم يصبه بلل فيقاتل الناس على الإسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلك الله في زمانه الملل كلها إلا الإسلام ويهلك المسيح الدجال فيمكث في الأرض أربعين سنة ثم يتوفى فيصلي عليه المسلمون.

(ابو داؤد كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، مسند احمد من روايات ابي هريرة)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں، بے شک وہ اترنے والے ہیں، پس جب ان کو دیکھو تو پہچان لینا، ان کا قد درمیانہ، رنگ سرخ و سفیدی مائل، زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے، ان کے سر کے بال سے قطرے ٹپکتے ہوں گے اگرچہ ان کو تری نہ پہنچی ہو، لوگوں سے اسلام پر جنگ کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ختم کر دے گا، اور وہ مسیح دجال کو قتل کر دیں گے اور زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے، پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

۵۔ عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... فينزل عيسى بن مريم صلى الله عليه وسلم فيقول أميرهم تعال صل لنا فيقول لا إن بعضكم على بعض أمراء تكرمة الله هذه الأمة.

(مسلم، باب نزول عيسى عليه السلام، مسند احمد من روايات جابر بن عبد الله)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ... عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم اتریں گے، مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا کہ حضرت تشریف لائیے اور امامت فرمائیے۔ تو آپ فرمائیں گے نہیں، تم ہی میں سے بعض دوسروں کے امیر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کی تکریم کے طور پر ہے؟

۶۔ عن النواس بن سمعان (في قصة الدجال) فبينما هو كذلك إذ بعث الله المسيح ابن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق بين مهرودتين واضعا كفيه على أجنحة ملكين إذا طأطأ رأسه قطر

حضرت نواس بن سمعان نے دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا، وہ دمشق کے مشرقی حصہ میں سفید منارہ کے پاس زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے اور فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَ

خوب جاننے والا ہے ۷۳ اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے ۷۴ اور

واذا رفعه تحدر منه جمان كاللؤلؤ فلا يحل لكافر يجد ريح نفسه الا مات ونفسه ينتهي الى حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتى يدركه بباب لدٍّ فيقتله

(مسلم، ذکر الدجال - ابو داؤد، کتاب الملاحم ترمذی، ابواب الفتن)

ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ ان کی حدِ نظر تک جائے گی، وہ زندہ نہ بچے گا۔ پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور لُدّ کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمایئے:

عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتي احرزهما الله تعالى من النار عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليه السلام۔ (نسائی: کتاب الجہاد مسند احمد، مرویات ثوبان)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ثوبان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں جن کو اللہ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا، دوسرا وہ جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا۔

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرما لیا۔ ان میں مسیح موعود کا حلیہ، نام، والدہ کا نام، مقام اور وقتِ نزول، آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں۔ اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے مجبول ایجنٹ بنے رہے اور اس کی خیرات پر پلتے رہے اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف کے قصیدے لکھتے رہے۔ ساری دنیا کو دار الاسلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات، خدائے مصطفےٰ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں، ان کی نادانی قابلِ صد افسوس ہے۔

۷۳ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذاتِ پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے ـــــ دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں، معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں، ہر قوم کے لیے ہر زمانہ میں فلاحِ دارین کا راستہ دکھانے کے لیے اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں، یوں نہیں ہے کہ سلسلہ نبوت بند کرنے کا فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو جو آنے والے حالات سے بے خبر ہے، مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے بلکہ یہ فیصلہ اس ذاتِ والا صفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالمِ انسانیت

سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ

اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام [illegible]

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾

[illegible]

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... والصلاة من الله ... [illegible] ... الرحمة ... [illegible] ... الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويؤمنون به ويستغفرون للذين آمنوا۔

[illegible]

[illegible] ... "سلام" یعنی سلامت رہو۔

النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا إِلَى

اے نبی (مکرم)! ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر ف اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے

حسن مے گفت کہ شامے نپذیرد سحرم
عشق مے گفت تب و تاب دوامے دارم

کون کہتا ہے حسن کو عشق عزیز نہیں یا محبوب کو اپنے عاشق دلفگار کی پروا نہیں۔ یہاں جمال مطلق اور حسن کامل دعائیں دے رہا ہے کہ اے عشق کی بے چینیو! اور بے تابیو! تم سلامت رہو! اے چشم شوق تو سدا بینا رہے! اے دل دردمند تیرے ارمانوں کی خیر تیری حسرتوں کی خیر!

عشق کو یہ پذیرائی حاصل تو ہوتی ہے لیکن امتحانوں کے کئی مرحلے ذوق ویقین سے طے کرنے کے بعد بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حسن بے نقاب کی بزم ناز میں جب کوئی عاشق کا ہائے و ہو بلند ہوتا ہے تو اسی وقت سامع نواز ہوتی ہیں لیکن جب کوئی نیازمند درد و سوز سے بے چین ہو کر سوئے منزل چل پڑتا ہے تو اسی وقت سے حسن کی نوازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اسے بڑا خیال رہتا ہے کہ عاشق زار دل شکستہ نہ ہو جائے۔ بظاہر تغافل ہوتا ہے حقیقت میں اس تغافل میں بھی توجہ کی کشش صاف معلوم ہوتی ہے جو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ ہر لمحہ قدم قدم پر راہ نورد عشق کی خبرگیری کی جاتی ہے کہ کوئی رہزن اس کی متاع شوق کو لوٹ نہ لے۔ یہ نوازشیں ہوتی ہیں تب ہی کوئی مسکین بے نوا ہجر کی طویل راتوں کو کاٹتا ہوا جدائی کے عریض صحراؤں کو طے کرتا ہوا سر نیاز قدم یار پر رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین میں اسی طرف اشارہ ہے۔

سچ تو یہ ہے عشق بھی حسن کا فیض ہے۔ عشق کی بے تابیاں بھی حسن کی عطا ہیں۔ عاشق کے صبر واستقامت میں بھی اسی کی دستگیری اور اس کی کرم فرمائی شامل ہوتی ہے۔ حریم ناز کے دروازے عشق نہیں کھولتا اور نہ کھول سکتا ہے بلکہ حسن کی دلنوازیاں آگے بڑھ کر اپنے آبلہ پا مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں اور خود ہی از راہ بندہ پروری اپنے رخ سے نقاب الٹ دیتی ہیں۔ تب ہی وہ گھڑی آتی ہے جب کوئی خسرویں زمزمہ سنج ہوتا ہے۔

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ بوسہ بر کف پائت نہد بخواب رود

ف اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے محبت بھرے انداز سے خطاب فرماتا ہے اور اس کے بعد ان جلیل القدر خطابات کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول کی عزت افزائی مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ۔ ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ منہ کھولے ہوئے گرداب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو کم ہمت، دوں حوصلہ، نااہل اور ناتجربہ کار ہو۔ بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان صفات جلیلہ سے متصف کیا ہے۔ تم صبر واستقامت سے اس کا دامن اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یقیناً تمہیں ساحل مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔ ساتھ ہی دشمنان اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملا دیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمع فروزاں

کو بجھانا چاہتے تھے۔

ارشاد فرمایا اے میرے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے۔ شاہد کا معنی گواہ ہے اور گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے:

الشھادۃ والشھود الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او البصیرۃ یعنی شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اسے دیکھے بھی خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادتِ نبوت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی۔ یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے۔ یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر کیونکہ جب ایسی باکمال ہستی اور ہمہ صفت موصوف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ لا الٰہ الا اللہ، تو کسی کو اس دعوت کے حق ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور فضل و کمال یہ ایسے حجابات ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالق کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں حضور کی اس شہادت سے وہ سارے حجاب تار تار ہو گئے اور اس جلیل المرتبت نبی کی شہادتِ توحید کے بعد کوئی سلیم الطبع آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسلام، اس کے عقائد، اس کے نظام عبادات و اخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔ اسی کے اتباع میں فلاح دارین کا راز مضمر ہے۔ اسی آئین کے نفاذ سے اس گلشن ہستی میں بہار جاوداں آ سکتی ہے اور جب قیامت کے روز سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا اور نہ کسی نے ان کو دعوتِ توحید دی اور نہ کسی نے انہیں گناہوں سے روکا۔ اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء کی صداقت کی گواہی دے گا کہ الٰہ العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے اور تیری طرف بلانے میں انہوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا یہ لوگ جو آج تیرے انبیاء کی دعوت کا یہ سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں پر پتھر برسائے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ انہیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختۂ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اُمت کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شاھدا علی امتك" یعنی حضور اپنی اُمت پر گواہی دیں گے اپنی اس تفسیر کی تائید میں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے: اخرج ابن المبارك عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم الا ويُعرض على النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم ولذلك يشهد عليهم (مظہری) یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح شام حضور کی اُمت حضور پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اسی لیے حضور ان پر گواہی دیں گے۔

علامہ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فقوله تعالى: شاهدا على الله بالوحدانية وانه لا اله غيره وعلى الناس باعمالهم يوم القيامة۔

یعنی حضور اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہی دیجئے۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شاهدا علی من بعثت الیهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم و...... وتؤدیها یوم القیامة اداء مقبولاً فی مالهم وما علیهم (روح المعانی) یعنی حضور گواہی دیں گے اپنی اُمّت پر کیونکہ حضور ان کے احوال کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور روزِ قیامت ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان الله تعالیٰ قد اطّلعه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلّم علی اعمال العباد فنظر الیها لذلك اطلق علیه شاهد۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرما دیا ہے اور حضور نے انہیں دیکھا ہے، اس لیے حضور کو شاہد کہا گیا۔

اس قول کی تائید میں علامہ آلوسی نے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

در نظر بودش مقامات العباد　　　زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

کہ بندوں کے مقامات حضور کی نگاہ میں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم پاک شاہد رکھا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں فتأمل ولا تغفل کہ اس بیان کردہ حقیقت میں غور و فکر کرو اور غفلت سے کام نہ لو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لکھتے ہیں: "اور محشر میں بھی اُمّت کی نسبت گواہی دیجئے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔" الغرض وہ تمام اَبدی صداقتیں جنہیں انسان سمجھنے سے قاصر ہے، عالم غیب کی وہ حقیقتیں جو عقل و خرد کی رسائی سے ماوراء ہیں ان سب کی سچائی کے آپ گواہ ہیں۔

ث: آنحضرت کا دُوسرا لقب مُبَشِّر ہے۔ یعنی خوشخبری دینے والے۔ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے ارشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہوگا۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: مبشراً لاهل الایمان والطاعة بالجنة ولاهل المحبة بالرؤیة کہ اہل ایمان اور اہل طاعت کو جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں اور اہل محبت کو دیدارِ محبوب کی۔

تیسرا لقب نذیراً ہے۔ نذیر کا معنی ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دینا۔ یہ بھی حضور کی شان ہے۔

وداعیا الی الله باذنه: یہ حضور کا چوتھا لقب ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور یہ کام کیونکہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے۔ کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے بآسانی تیار نہیں ہوتا۔ خصوصاً مکہ کے مُشرک جو کورانہ تقلید اور آباء پرستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ جنہوں نے غور و فکر کے سارے دیئے گُل کر دیئے تھے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نُورِ حق کی طرف لے آنا از حد دُشوار تھا۔ یہی حالت یہود اور دوسرے اہل کتاب کی تھی، اس لیے ساتھ ہی "باذنه" کا کلمہ بڑھا دیا یعنی اے محبوب! ہم نے اس دُشوار کام کو آپ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ باذنه ای بتسهیله وتیسیره تعالیٰ (روح المعانی) اور اس کی صُورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گوناگوں خوبیا

اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ

والا اللہ کی طرف اسکے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا لشه اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو کہ ان کے لیے اللہ کی

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ

جناب سے بڑا ہی فضل ہے ۲شه اور نہ کہنا مانو کافروں اور منافقوں کا اور پروا نہ کرو ان کی

اور دلفریبیوں سے ممتاز فرمایا تھا کہ دل خود بخود اس طلعتِ زیبا کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی ملکہ موجود تھا وہ اس شمعِ جمال پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ عرب کے اجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بچوں، اپنے آباد گھروں، قیمتی مال و متاع اور وطنِ عزیز کو چھوڑ کر درِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے خالد بن ولید نے میدانِ احد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا لیکن وہی فاتح خالد مکہ کو الوداع کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا قلادہ ڈال کر سرکارِ مدینہ کی حاضری کے لیے کوہ و دمن، دشت و صحرا کو عبور کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یہ بھی داعیاً الی اللہ باذنہ کی شان کا ایک ظہور ہے۔

لشه فرمایا: اے محبوب! میں نے تجھے سراجاً منیرًا بنا کر بھیجا ہے۔ ان دو لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جن انعامات لطائف کی بارش فرمائی ہے اس کی بیکرانیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ آفتاب اور آفتاب بھی عالمتاب، روشن اور اتنا روشن کہ دوسروں کو بھی نور و ضیا کا منبع و مصدر بنا دینے والا۔ اہلِ دل نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے میں فقط حضرت عارف باللہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا ایک جملہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان بلسانه داعيا الى الله تعالى وبقلبه وقالبه كان مثل السراج يتلون المومنون بالوانه ويتنورون بانواره۔ یعنی حضور زبان فیض ترجمان سے تو داعی تھے اور اپنے قلب مبارک اور قالب منور کی وجہ سے سراج منیر تھے۔ اہلِ ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں و تاباں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار سے درخشاں راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲شه پہلے تو اللہ تعالیٰ نے جو لطف و کرم اپنے حبیبِ کریم اور محبوبِ دلنواز صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرمایا، اس کا ذکر ہوا۔ اب اس ابرِ رحمت کا بیان ہو رہا ہے جو امتِ مسلمہ پر برسایا جانے والا ہے۔ ارشاد ہے: اے میرے نبی! اپنے غلاموں کو بھی یہ بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ان پر بھی ہو گا اور وہ فضل و کرم قلیل اور محدود نہیں ہو گا بلکہ فضلاً کبیرًا ہو گا۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ وہ رب العزت جس کے سامنے ساری دنیا متاعِ قلیل ہے یعنی تھوڑا سا سامان، تو جس فضل کو وہ کبیر فرما رہا ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ یہ سب صدقہ ہے محبوبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جن کی غلامی کے باعث ہمیں یہ شرف حاصل ہے۔ کاش! ہم اس غلامی کی قدر کو پہچانتے اور اس جمالِ جہاں افروز پر اپنی جان، اپنا دل اور ہوش و خرد قربان کرتے جو صحابہ کرام کا طریقہ

اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اذیت رسانی کی اور بھروسہ کرو اللہ پر ۸۲ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپکا) کارساز اے ایمان والو!

اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ

ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہٰذا انہیں کچھ مال

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ

دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی سے ۸۳ اے نبی (مکرم)! ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لیے آپکی ازواج

الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں ۸۴

تھا۔ تب ہمیں اس فضلِ کبیر کا صحیح احساس ہوتا۔

۸۲ اے محبوب! جب ہم نے آپ کو ان عظمتوں سے نوازا ہے تو آپ کو کفار و منافقین کا کہنا ماننے کی کیا ضرورت ہے آپ ان کی اذیت رسانیوں سے خائف کیوں ہوں۔ آپ انہیں پرکاہ کی وقعت بھی نہ دیں اور یہ صاف صاف اعلان کر دیں کہ جو تکلیف اور اذیت وہ پہنچانا چاہتے ہیں اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ آپ کا پروردگار آپ کے ساتھ ہے۔ دُنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور آپ کے دین کی ترقی میں روڑا نہیں اٹکا سکتی۔

۸۳ یہاں شرعی حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنی کسی ایسی منکوحہ کو طلاق دو جس سے تم نے خلوت صحیحہ نہیں کی تو اس مطلقہ کا عدت گزارنا لازمی نہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی قید نکاح سے آزاد کرو تو بے مروتی کا ثبوت نہ دو۔ طلاق دے کر تم نے ان کا دل توڑا ہے۔ ان کی کچھ مالی اعانت کر دو، تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ اگر ایسی عورت کا مہر مقرر تھا تو نصف مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا لازمی ہے۔

۸۴ اسلام نے مردوں کو شرطِ عدل کے ساتھ چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ جس کی حکمتیں سورۂ نساء میں بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمتوں کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت مرحمت

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپکے ماموں کی بیٹیاں اور آپکی خالاؤں کی

الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۙ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ

بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ

اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لیے ہے اور دوسرے مومنوں کے لیے نہیں۔ ۵۳

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ

ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں

فرمائی۔ دشمنانِ اسلام نے اس بات کو بھی ہدفِ تنقید بنایا خصوصاً عیسائی پادریوں نے لیکن اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اجازت بھی عینِ حکمت نظر آتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سب سے پہلے جس خاتون کو حضورؐ نے شرفِ زوجیت بخشا ان کا اسمِ گرامی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہے۔ اس وقت حضورؐ کا عنفوانِ شباب تھا۔ عمرِ مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ دوبار بیوہ ہونے کے بعد اپنے چالیسویں سال میں تھیں لیکن ان کے ساتھ زوجیت کے تعلقات اتنے خوشگوار تھے کہ ان کے وصال تک حضورؐ نے کسی دوسری کا کبھی خیال بھی نہیں فرمایا اور ان کے وصال کے بعد بھی اکثر ان کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ بھی رشک کرنے لگتیں۔ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد ایک سن رسیدہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے عقد اگرچہ ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروقِ اعظم کی صاحبزادی تھیں جن کی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی وہ اُحد میں شدید زخمی ہوئے اور زخموں کی تاب نہ لاکر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ اپنی اس صاحبزادی کے مستقبل کے متعلق بڑے پریشان تھے۔ حضورؐ کا انہیں شرفِ زوجیت بخشنا نہ صرف ان کی دلجوئی کا باعث ہوا بلکہ اس سے حضرت فاروقِ اعظم کی بہت بڑی پریشانی دُور ہوئی۔ حضورؐ کی جتنی شادیاں ہوئیں ان سے دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں بڑا فائدہ ہوا۔ ان سے مقصود یا تو اپنے غلاموں کی دلجوئی تھی اور یا دشمن قبائل کے ساتھ محبت اور مودّت کے تعلقات قائم کرنے تھے۔ ان شادیوں میں سے کسی شادی کو عشرت کوشی کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۵۳ اس کا تعلق یا تو اِنْ وَّهَبَتْ کے ساتھ یعنی کوئی مومن عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیش خدمت کرے اور حضور اسے قبول فرمائیں تو اس کا مہر ادا کرنا ضروری نہیں یہ حکم صرف حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے بغیر مہر کے نکاح جائز

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ تُرْجِيْ

تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (آپکو اختیار ہے) دُور

مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ

کردیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جو

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ

آپ نے علیحدہ کردیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی

وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے ۵۲ اور (اے لوگو) اللہ تعالیٰ

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ

جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بُردبار ہے۔ حلال نہیں آپ کے لیے

النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ

دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کریں ان ازواج سے دُوسری بیویاں

ہیں۔ لیکن اس رخصت کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کا نباہ کیا۔ اور یا اس لفظ کا تعلق چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی رخصت سے ہے یعنی یہ اجازت صرف حضور کو ہے اور کسی کو نہیں۔

۵۲ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کریں لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا کہ آپ پر کوئی پابندی نہیں لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ ہر بیوی کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرماتے۔ اس رخصت کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کی طبع مبارک اتنی عادل اور انصاف پسند تھی کہ حکم نہ ہونے کی صُورت میں بھی بے انصافی ممکن نہ تھی۔ دُوسری حکمت یہ ہے کہ ازواج طاہرات میں باہمی نزاع پیدا نہ ہو۔ تھوڑی تھوڑی بات کو بڑھا کر گھر کے سکون کو مکدر نہ کریں۔ اب جب حضور پر پابندی نہ رہی تو جس کو بھی حضور شرف بخشیں اور جتنا وقت شرف بخشیں اسی کو وہ غنیمت سمجھے گی اور کسی قسم کا مطالبہ کرکے یا شکوہ کرکے خاطر عاطر کو مشوش نہ کر سکے گی۔ اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت کے ان کلمات میں

أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ

اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن۔ بجز کنیزوں کے ۹۸ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ﴿۵۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ ع ۴

پر نگران ہے۔ اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں ۹۹ بجز اس

النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ

(صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو

إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ

لیکن جب تمہیں بلایا جائے، تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو، تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے

لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ

کیلئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (دیکھئے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور

تصریح فرمادی: ذٰلك ادنٰی ان تقرّ اعینهنّ۔

۹۸ جب اللہ تعالیٰ نے اُمہات المؤمنین کو اجازت دیدی کہ چاہے تو وہ اس فقر و فاقہ کے ساتھ اس کے رسُول کی خدمت میں رہیں، چاہیں تو الگ ہو جائیں۔ ان سب نے دُنیا اور آسائش دُنیا کو ٹھکرا کر کاشانۂ نبوت میں عسرت اور تنگی کی زندگی کو خوشی سے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ ایثار بہت پسند آیا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اب کسی اور کو شرفِ زوجیت نہ بخشا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور نے کسی دُوسری آزاد عورت کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا؛ البتہ کنیزوں کے متعلق رخصت بدستور باقی رکھی گئی۔

۹۹ یہاں مسلمانوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجروں میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہدایات دی جا رہی ہیں۔ فرمایا جب تک حضور اجازت نہ دیں تمہارا داخل ہونا قطعاً ممنوع ہے اور جب اجازت ملے تو داخل ہو سکتے ہو اور وہ بھی اتنے وقت کے لیے کہ کھانا کھاؤ اور اس کے بعد فوراً اُٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگو اور حضور کو اس طرح تمہارے دیر تک بیٹھنے سے تکلیف پہنچے۔ حضور تو اپنے شرم کی وجہ سے تمہیں اُٹھ کر چلے جانے کا حکم نہیں فرمائیں گے اور خاموش رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی باتوں پر خبردار کرنے سے حیا نہیں کرتا جن کا جاننا تمہارے لیے ضروری ہے۔ آیت میں غیر ناظرین انٰہ کا فقرہ توجہ طلب ہے۔ انٰی کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب قاموس لکھتے ہیں: انی الشی یانی اینا و انا و اِنًا فهو انی کغنیّ حان وادرك یعنی بلغ غایته او

لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن

اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو

وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ

پس پردہ ہو کر ۹۰ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے ۹۱ اور تمہیں یہ

أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ

زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو ۹۲ اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی ۹۳

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ

بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ چاہے تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔ کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ہاں آئیں ان کے باپ

نضجہٗ یعنی کھانے کے پک کر تیار ہو جانے کو اِنیٰ کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی حجرہ شریفہ سے دھواں اٹھتا دیکھتے تو باہر آکر اس انتظار میں بیٹھ رہتے کہ ابھی کھانا تیار ہوگا اور ہمیں بھی کھانے کی دعوت دی جائے گی۔ بن بلائے مہمان بننے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

۹۰ یہاں دوسرا ادب سکھایا جا رہا ہے کہ تمہیں حضور کے اہل خانہ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو۔ اندر گھس آنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ ۹۱ یہ طریقہ کار تمہارے لیے اور امہات المومنین کے لیے قلب کی پاکیزگی کا باعث ہے۔

یہاں اس تساہل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ بعض استاد کی اہل خانہ اپنے شاگردوں سے پردہ کرنا ضروری نہیں سمجھتیں۔ اس آیت نے تنبیہ فرما دی کہ جب مسلمانوں کو ازواج طاہرات کے ہاں گھس آنے کی اجازت نہیں تو اور کون ہے جو اس رخصت کا مستحق ہو۔ شیطان کسی وقت بھی دل میں فاسد خیال پیدا کر سکتا ہے۔ پردے کا حکم جو تمہیں دیا گیا ہے اس میں ہرگز تساہل نہ کرو بلکہ سختی سے اس پر عمل کرو۔

۹۲ ارشاد فرمایا کہ تمہیں کسی ایسے کام کے کرنے کی اجازت نہیں جس سے میرے رسول کو تکلیف پہنچے۔ تمہارا فرض ہے کہ ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گرانیٔ طبع کا سبب بن سکتا ہو۔

۹۳ یہاں ایک اور حکم بیان فرمایا کہ حضور کے وصال کے بعد حضور کی ازواج مطہرات سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ تمہاری مائیں ہیں اور تم پر قطعاً حرام ہیں۔ تم اس چیز کو معمولی بات مت خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی بڑا جرم ہے، کبیرہ گناہ ہے۔

وَلَآ أَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ إِخْوَانِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ

ان کے بیٹے | ان کے بھائی | ان کے بھتیجے | اور ان کے

أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ

بھانجے | اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے عورتو!) ڈرا کرو اللہ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَآئِكَتَهُ

(کی نافرمانی) سے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ ۹۴ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے

يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا

درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر ۹۵ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا

۹۴ اس آیت میں ان مردوں کا ذکر کیا گیا جو محرم ہیں اور جن سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

۹۵ اسلام کو مٹانے کے لیے کفر کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں پر انہوں نے مظالم کے پہاڑ توڑ دیے لیکن ان کے جذبۂ ایمان کو کم نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے وطن، گھر بار، اہل و عیال کو خوشی سے چھوڑنا گوارا کیا، لیکن دامنِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ کفار نے بڑے کروفر اور شکوہ و طمطراق کے ساتھ مدینہ طیبہ پر بار بار یورش کی لیکن انہیں ہر بار ان مٹھی بھر اہلِ ایمان سے شکست کھا کر واپس آنا پڑا۔ اب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس و اطہر پر طرح طرح کے بیجا الزامات تراشنے شروع کر دیے تاکہ لوگ رشد و ہدایت کی اس نورانی شمع سے نفرت کرنے لگیں اور یوں اسلام کی ترقی رک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی ان امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بتایا کہ یہ میرا حبیب اور میرا پیارا رسول وہ ہے جس کی وصف و ثنا میں اپنی زبانِ قدرت سے کرتا ہوں اور میرے سارے ان گنت فرشتے اپنی نورانی اور پاکیزہ زبانوں سے اس کی جناب میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ تم چند لوگ اگر اس کی شانِ عالی میں ہرزہ سرائی کرتے بھی رہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جس طرح تمہارے پہلے منصوبے خاک میں مل گئے اور تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں اسی طرح اس ناپاک مہم میں بھی تم خائب و خاسر ہو گے۔

اس آیت کریمہ کی جلالتِ شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آیت کریمہ میں فعل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ (۲) فرشتے (۳) اہلِ اسلام۔

جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و ثنا کرتا ہے۔ فهي منه عز وجل ثناءه عليه عند الملائكة و تعظيمه۔ رواه البخاري عن ابي العاليه۔

علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتعظیمه تعالی ایاه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دینه وابقاء العمل بشریعته وفی الآخرة بتشفیعه فی امته واجزال اجره ومثوبته وابداء فضله للاولین والآخرین بالمقام المحمود وتقدیمه علی کافة المقربین بالشهود (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کرکے اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت و شان بڑھاتا ہے اور روز محشر امت کے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا کرکے اور مقام محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کرکے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔

اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں ان اللہ وملٰئکته الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدد و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہردم ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ عراقی نے کیا خوب لکھا ہے: ؎

ثنائے زلف و رخسار تو اے ماہ ملائک وردِ صبح و شام کردند

جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے اس کی ثناگستری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور اس کی رفعتِ شان کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں تو اے اہلِ ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعتِ شان کے لیے دعا مانگا کرو۔ علامہ ابن منظور صلوٰۃ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مومن بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے: اللهم صل علی سیدنا محمد فمعناه عظمه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دعوته وابقاء شریعته وفی الآخرة بتشفیعه فی امته وتضعیف اجره ومثوبته۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرما۔ اس کے دین کو غلبہ دے اور اس کی شریعت کو باقی رکھ کر اس دنیا میں ان کی شان بلند فرما اور روزِ محشر ان کی شفاعت قبول فرما۔ اجر اور ثواب کو کئی گنا کر دے۔

اگرچہ صلوٰۃ بھیجنے کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے لیکن ہم نہ شانِ رسالت کو کماحقہ جانتے ہیں اور نہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں اس لیے اعترافِ عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں: اللهم صل الخ۔ یعنی مولا کریم تو ہی اپنے محبوب کی شان کو اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لیے تو ہی ہماری طرف سے اپنے محبوب پر درود بھیج جو اس کی شان کے شایاں ہے۔ وقیل المعنی لما امرنا الله تعالی سبحانه بالصلوٰة علیه ولم نبلغ قدر الواجب من ذلك احلنا علی الله وقلنا اللهم صل انت علی محمد لانك اعلم بما یلیق به (لسان العرب)

اس آیت میں ہمیں بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث کثیرہ صحیحہ میں بھی درود شریف کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ چند احادیث تبرکاً ذکر کر دیتا ہوں تاکہ آپ کے دل میں بھی اپنے رسولِ مکرم، ہادیٔ اعظم، مرشدِ اکمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا شوق پیدا ہو۔

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لحاجۃ فلم اجد احداً یتبعہ ففزع عمر واتاہ بمطہرۃ من خلفہ فوجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساجداً فی مشربۃ فتنحی عنہ من خلفہ حتی رفع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأسہ فقال احسنت یا عمر حین وجدتنی ساجداً فتنحیت عنی ان جبرئیل أتانی فقال من صلی علیک من امتک واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشر صلوات ورفعہ عشر درجات۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھ کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ حضرت عمر نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا لیا اور پیچھے چل دیئے۔ جب آپ باہر آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک وادی میں سربسجود پایا اور پیچھے سے ایک طرف ہٹ کر پیچھے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حضور نے سجدہ سے سرِ مبارک اٹھایا اور فرمایا اے عمر! تم نے بہت اچھا کیا کہ جب مجھے سربسجود دیکھا تو ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر یہ بتایا کہ جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور اس کے دس درجے بلند کردے گا۔

(۲) عن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاء ذات یوم والسرور یُریٰ فی وجھہ وقالوا یارسول اللہ: انا لنری السرور فی وجھک وقال انہ اتانی الملک فقال یا محمد اما یُرضیک ان ربک عزوجل یقول انہ لایصلی علیک احد من امتک الاصلیت علیہ عشراً ولا یسلم علیک احد من امتک الاسلمت علیہ عشراً قلت بلی۔ (ترجمہ) ایک دن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے رُخِ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔ فرمایا میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور اس نے آکر کہا کہ اے سراپا حسن وخوبی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپکے رب نے فرمایا ہے کہ آپکا جو امتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور آپکا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا ہے کہ میں اپنے مولا کریم کی اس نوازش پر از حد خوش ہوں۔

(۳) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ ذُکرت عندہ فلیصل علی ومن صلی علی مرۃ واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشراً۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا۔

(۴) عن عبد اللہ بن علی بن الحسین عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال البخیل من ذکرتُ عندہ ثم لم یُصلّ علی۔ حضرت عبد اللہ حضرت زین العابدین کے فرزند نے اپنے والد بزرگوار سے انہوں نے اپنے والد گرامی سیدنا امام حسین سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے

(۵) عن طفیل بن ابی بن کعب عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا ذھب ثلثا اللیل قام وقال یایھا الناس اذکروا اللہ۔ اذکروا اللہ۔ جاءت الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ۔ جاء الموت بما فیہ۔ جاء الموت بما فیہ۔ قال ابی قلتُ

یا رسول اللہ انی اکثر الصلوٰۃ علیک فکم اجعل لک من صلاتی قال ما شئت قلتُ الربع قال ما شئت وان زدت فھو خیرٌ لک قلتُ فالنصف قال ما شئت وان زدت فھو خیر لک قلت فالثلثین قال ما شئت وان زدت فھو خیرٌ لک قلت اجعل لک صلاتی کلھا قال اذاً تکفی ھمک ویغفرلک ذنبک۔

ابی بن کعب کے لڑکے طفیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب رات کے دو حصے گزر جاتے تو حضور اُٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ تھرا دینے والی آگئی۔ اس کے پیچھے اور آنے والی ہے موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آپہنچی۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آپہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حضور پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایئے کہ میں کس قدر پڑھا کروں۔ فرمایا: جتنا دل چاہے میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھائی حصہ فرمایا جتنا تیرا جی چاہے۔ اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لیے بہتر ہے۔ عرض کیا نصف وقت۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے۔ اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کی میں اپنا سارا وقت حضور پر درود شریف پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا:

"تب یہ درود تیرے رنج والم کو دُور کرنے کے لیے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

عن الطفیل بن ابی عن ابیہ قال قال رجل یا رسول اللہ۔ أرأیت ان جعلت صلاتی کلھا علیک قال اذاً یکفیک اللہ ما اھمک من دنیاک و آخرتک۔ طفیل کہتے ہیں میرے والد نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اگر اپنا تمام وقت حضور پر درود پڑھنے میں صرف کر دوں۔ حضور نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ تیری دُنیا و آخرت کی مشکلیں آسان کر دے گا۔

آیت طیبہ اور ان احادیث مبارکہ سے درود شریف کی برکتیں اور فضیلتیں معلوم ہو گئیں۔ ایسا کم فہم اور نادان کون ہو گا جو رحمتوں کے اس خزانے سے اپنی جھولی بھرنے کی کوشش نہ کرے لیکن بعض اوقات اور بعض مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے اور وہاں پڑھنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے بھی چند اہم مقامات اور اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہر محفل اور مجلس میں درود شریف پڑھنے کی ہدایت عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماجلس قوم مجلساً ولم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیھم الاکان علیھم ترۃ یوم القیامۃ وان شاء عذبھم وان شاء غفرلھم۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے وبال ہو گی چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے۔

ہر محفل کے اختتام کے وقت حضرت ابوسعید سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے باعث حسرت ہو گی اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہو گی۔

اذان کے بعد: حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب مؤذن کو تم اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی کلمے

دہرا رہا ہو وہ کہہ رہا ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانه من صلی علی صلی الله علیه بها عشرا۔ الخ

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اپنی دادی صاحبہ حضرت خاتون جنت سے روایت کرتے ہیں: قالت قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا دخل المسجد صلی علی محمد وسلم ثم قال اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك واذا خرج صلی علی محمد وسلم ثم قال اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك۔

دعا کرتے وقت: حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے کہ دعا میں جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

نماز کے بعد دعا سے پہلے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت صدیق اور حضرت فاروق اعظم تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی پھر میں نے درود پاک پڑھا پھر اپنے لیے دعا مانگنے لگا، تو حضور نے فرمایا: اب مانگ! تجھے دیا جائے گا۔

عن عبد الله قال كنت اصلی والنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابوبکر وعمر معه فلما جلست بدأت بالثناء علی الله تعالیٰ ثم بالصلوٰة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ثم دعوت لنفسی فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سل تعطه

امام ترمذی اپنی سنن میں نقل کرتے ہیں:

بینا رسول الله صلی الله علیه وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلی فقال اللهم اغفرلی وارحمنی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم عجلت ایها المصلی اذا صلیت فقعدت فاحمد الله بما هو اهله وصل علی ثم ادعه قال ثم صلی رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم فقال له النبی صلی الله علیه وسلم ایها المصلی ادع تجب (ترمذی، ابو داؤد)

ترجمہ: ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگی یا اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے نمازی تو نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو، اللہ کی حمد و ثنا کرو اور مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد و ثنا کی پھر حضور پر درود پڑھا۔ حضور نے فرمایا: "اے نمازی اب دعا مانگ قبول ہوگی۔" اس سے ثابت ہوا کہ ہم اہل سنت نماز کے بعد جو ذکر اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہ سنت ہے اور قبولیت دعا کا باعث ہے۔ نیز اس سے باآواز بلند ذکر اور درود شریف پڑھنا ثابت ہوا۔ ۱۲

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھے۔ جب نام گرامی لکھے تو ساتھ درود پاک لکھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ خلف نے بیان کیا کہ ان کا ایک دوست حدیث کا طالب علم تھا۔ وہ فوت ہو گیا میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ سبز پوشاک پہنے خوش و خرم گھوم رہا ہے۔ میں نے کہا کہ تم تو وہی میرے ہم مکتب نہیں ہو؟ اس نے کہا ہاں

تَسْلِيمًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي

کرو۔ بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ

ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب ۹۶ اور جو لوگ دل

يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا

دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھایا

بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ

ع ٧ ٤

(اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ ۹۷ اے نبی مکرم! آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو

میں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ اس نے کہا میری یہ عادت تھی کہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی لکھتا وہاں درود شریف بھی لکھتا۔ فکافانی ربی هذا الذی تری علی۔ یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے میرے رب نے مجھے اس عمل کا بدلہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت امام شافعی کو دیکھا۔ پوچھا فرمایئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا: رحمنی وغفرلی وزفنی الی الجنة کما تزف العروس ونثر علی کما ینثر علی العروس۔ میرے رب نے مجھ پر رحم فرمایا۔ مجھے بخش دیا۔ مجھے دلہن کی طرح آراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کیے گئے جس طرح دلہن پر درہم دینار نچھاور کیے جاتے ہیں۔ میں نے اس عزت افزائی کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اپنی کتاب "الرسالہ" میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر میں نے جو درود لکھا ہے اس کا یہ اجر ہے۔ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں میں نے امام سے پوچھا۔ وہ خاص درود شریف کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میں نے وہاں یہ درود شریف لکھا ہے: وصلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون۔ میں بیدار ہوا اور کتاب الرسالہ کو کھولا تو وہاں بعینہٖ اسی طرح درود شریف لکھا ہوا تھا۔

۹۶ سابقہ آیت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو پیہم رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اس کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بدبختی اور بدنصیبی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کو اپنی بداعمالیوں یا نازیبا اقوال سے اذیت پہنچاتے ہیں۔

۹۷ ساتھ ہی ان لوگوں کو سرزنش کر دی جو اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ستایا کرتے ہیں۔ کبھی ان پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں، کبھی راہ چلتے ان کی بے عزتی کر دیتے ہیں، کبھی انہیں زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ سن لیں کہ وہ بہتان تراشی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ

اور منجملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ۹۵ اس طرح

لا دیتے ہیں۔ جب عام مسلمانوں کی دل آزاری کا یہ حکم ہے تو جو بدنصیب ازواج مطہرات، آل پاک اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جناب میں گستاخیاں کرتا ہے اور ان کے دلوں کو دکھاتا ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہاں ایک حدیث پاک سماعت فرمائیے:

عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ۔

ترجمہ: اللہ کے رسول نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں طعن وتشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بغض کے باعث ایسا کرتا ہے۔ جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جو ایسا کرتا ہے اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ (مظہری)

۹۵ تمام جاہلی تہذیبوں میں خواہ شرقی ہوں یا غربی، قدیم ہوں یا جدید، عورت کو ایک کھلونا ہی سمجھا جاتا رہا اور سمجھا جاتا ہے۔ ہوسناک نگاہیں اس کا تعاقب کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتیں۔ جب تک عورت اپنے حقوق سے بے خبر اور محروم تھی اس وقت تک اسے محفل رقص و سرود کی زینت بننے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اور جب اسے اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی تو پرانے شکاریوں نے اس کو پھانسنے کے لیے نیا جال بچھا دیا۔ انہوں نے اپنا سارا فلسفہ اور زورِ قلم اس کو یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ اب تو آزاد ہے۔ تجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ تو بن سنور کر بناؤ سنگھار کر کے گھر سے نکلے۔ اس کے بعد تیرا جی چاہے تو بازاروں اور شاہراہوں پر محو خرام رہے، چاہے کسی قہوہ خانے کی آرائش میں اضافہ کرے، چاہے کسی شبینہ کلب میں یا بزم عیش و طرب میں اپنے حسن کی نمائش کرے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ تیری اس آزادی میں روڑا اٹکائے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح مردوں کا خالق ہے اسی طرح عورتیں بھی اسی کی مخلوق ہیں، وہ دونوں سے پیار کرتا ہے اور اسے دونوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ وہ جس طرح مردوں کو آبرومندانہ اور باوقار زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح وہ عورت کو بھی عفت عصمت اور شرم وحیا کا پیکر بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود ومشرکین کی کافی تعداد تھی جن کے اوباش نوجوان شرم وحیا کی قدروں سے ناواقف اور فسق وفجور کے دلدادہ تھے۔ ان کی دوسری کمینہ حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھروں سے کسی ضروری کام کے لیے نکلتیں تو وہ ان کا دور تک تعاقب کرتے۔ خصوصاً شام کے دھندلکے میں جب مستورات قضائے حاجت کے لیے باہر جاتیں تو راستوں پر نشیبی جگہوں پر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت ادھر نکلتی تو اس کو پھانسنے کی کوشش کرتے۔ یہ ان کے ہاں عام دستور تھا اسکو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بڑے بوڑھے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی خرمستیاں کہہ کر ٹال مٹول کر دیا کرتے

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یثرب کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کیا اور مسلمان خواتین کو بھی ضروری کاموں کے لیے گھر سے نکلنا پڑتا، تو وہ اوباش یہی رذیل حرکتیں کرتے۔ اگر انہیں ٹوکا جاتا، تو وہ کہتے ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مسلم خاتون ہے ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اے نبی مکرم! آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی دختران پاک نہاد اور ساری مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں پھر اس کا ایک پلّو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے۔ اس طرح کسی بد باطن کو تمہیں ستانے کی جرأت نہ ہوگی۔

جلابیب جمع ہے اس کا واحد جلباب ہے اور جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ انہ الثوب الذی یستر جمیع البدن۔ علامہ زمخشری "یدنین" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یُرخینها علیهن و یُغطین بها وجوههن و اعطافهن۔ یعنی اپنی چادروں کو اپنے اوپر ڈال لو اپنے چہروں اور کندھوں کو چادر سے چھپا لو۔ علامہ زمخشری کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ لغوی طور پر بھی یدنین علیهن کا یہ مفہوم ہے کہ چادر کو اپنے اوپر اس طرح ڈالا جائے کہ سارا جسم ڈھک جائے۔ کندھے اور چہرہ بھی برہنہ نہ رہے۔ علامہ ابو حیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اُندلس میں مسلمان خواتین اس طرح پردہ کرتی ہیں کہ سارا چہرہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ وکذا عادۃ بلاد الاندلس لا یظهر من المرأۃ الا عینها الواحدۃ (بحر)

پردہ کے احکام بالتفصیل آپ سورہ نور میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں بھی واضح طور پر اُمہات المومنین اور دُختران رسالتمآب کو خصوصاً اور تمام مسلمان عورتوں کو عموماً حکم دے دیا گیا کہ وہ باہر نکلیں تو بڑے وقار اور آبرو مندانہ طریقہ سے نکلیں، ایک بڑی چادر سے اپنے سارے جسم اور اکثر چہرہ کو ڈھانکا ہوا ہو۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے اور نوجوان عورتوں نے جس طرح شرم وحیا کی چادر کو اتار کر پھینک دیا ہے، ننگے سر، نیم عُریاں لباس میں جس طرح وہ بن سنور کر بازاروں میں پھرتی اور عام محفلوں میں شرکت کرتی ہیں انہیں دیکھ کر کون یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ دُختران اسلام ہیں۔ ایک دفعہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بنو تمیم قبیلہ کی چند عورتیں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر اُم المومنین نے فرمایا: ان کنتن مومنات فلیس هذا بلباس المومنات وان کنتن غیر مومنات فتمتعن (قرطبی)۔ یعنی اگر تم مومن عورتیں ہو تو سن لو کہ یہ لباس مومن خواتین کا نہیں ہوتا اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ آخر میں نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجئے: نساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات رؤسهن مثل اسنمۃ البخت لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحها یعنی کئی عورتیں جنہوں نے لباس پہنا ہوتا ہے لیکن وہ ننگی ہوتی ہیں ناز و ادا سے مٹکتی ہیں اور مٹکاتی ہیں انکے سر اس طرح ہیں جس طرح بختی نسل کے اونٹوں کی کوہان۔ یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ انہیں اسکی ہوا لگے گی۔

اب آپ دیکھیے کہ ہماری فیشن پرست لڑکیاں جو لباس پہنتی ہیں کیا وہ اس لباس کے باوجود ننگی نہیں ہوتیں۔ وہ کس طرح مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور سروں پر جو انہوں نے مصنوعی جوڑے (wig) رکھے ہوتے ہیں، کیا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح نظر نہیں آتے۔ وہ اپنا انجام دیکھ لیں۔ حضور نے اپنے نورِ نبوت سے چودہ سو سال پہلے ہی آج کی مغربی تہذیب کی دلدادہ عورت کی کس طرح نشاندہی فرمادی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرم وحیا عطا فرمائے۔

اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا ۹۹ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے ۱۰۰

یہاں حضور کی صاحبزادیوں کا جب ذکر آیا تو قرآن نے بنت ایک صاحبزادی نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال کیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور کی ایک صاحبزادی نہ تھی بلکہ متعدد صاحبزادیاں تھیں اور شیعہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ یہاں فقط دو حوالے پیش کرتا ہوں۔ اصول کافی جو اس فرقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں:

وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه عليه السلام القاسم ورقية و زينب و ام كلثوم وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة عليها السلام۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی جب کہ حضور کی عمر مبارک پچیس سال کے قریب تھی اور حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضور کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب اور اُمّ کلثوم اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ (اصول کافی ج ۱، صـ ۴۳۹ مطبوعہ تہران)

ان کی دوسری کتاب حیوٰۃ القلوب میں علامہ مجلسی رقمطراز ہیں:

"در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و اُمّ کلثوم و رقیہ و زینب۔ (حیوٰۃ القلوب صـ ۸۲۳)

ترجمہ: قرب الاسناد میں معتبر سند سے حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ اولاد پیدا ہوئی: طاہر، قاسم، فاطمہ، اُمّ کلثوم، رقیہ اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان روشن تصریحات کے باوجود جو لوگ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں، خاندانِ نبوت سے ان کی بے مہری اور بے مروتی محتاجِ بیان نہیں۔

۹۹ یعنی اگر وہ اس طرح چادر اوڑھ کر چہرہ ڈھانک کر باہر نکلیں گی، تو انہیں دُور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ عفت مآب اور عصمت شعار مومنہ ہے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوگی کہ اس کی طرف بُری نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ نیز اگر عورت شرم و حیا کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور بن سنور کر باہر نہ نکلے اپنے لباس اپنی چال سے کسی کو دعوتِ نظارہ نہ دے تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ اس کی طرف ہوسناک نگاہوں سے دیکھے۔ اس جملے سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر تم اس طرح چادر اوڑھ کر نکلو گی تو تمہارے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کریگا اور تم ہر قسم کی اذیت سے بچ جاؤ گی۔ اسلام نے پردہ اور شرم و حیا کے جو اصول تمہیں بتائے ہیں ان پر عمل کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔

۱۰۰ یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے جو غلطیاں تم سے سرزد ہوئیں یا اب نادانستہ کوئی لغزش ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ تم توبہ کرو گے وہ توبہ قبول فرمائے گا تم اظہارِ ندامت کرتے ہوئے حاضر ہوگے تو تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں

فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا

اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر

قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

چند روز [120] وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے [121]

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

اللہ کی سنت (ان بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے۔ اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل

تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

نہ پائیں گے [122] لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ فرمائیے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ

[120] اگر منافقین مسلمان خواتین کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں اڑانے والوں نے اپنی زبانیں بند نہ کیں، تو وہ یاد رکھیں انہیں من مانی کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔ بلکہ ہم آپ کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا فرمائیں گے اور وہ آپ کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

المرجفون: ارجاف سے ہے۔ اس کا معنی ہے جھوٹی اور غلط افواہیں پھیلانا۔ الارجاف اشاعۃ الکذب والباطل لنغرینک ای لنسلطنک علیھم فتستاصل بالقتل (قرطبی) یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور آپ ان کے قتل کا حکم دے کر انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ قلیلاً ترکیب میں کیا ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں: پہلا یہ کہ یجاورون میں ھُمْ ضمیر کا حال ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ وہ نہایت قلیل تعداد میں کچھ عرصہ یہاں رہیں گے۔ پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اے لا یجاورونک الا فی حال قلۃ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قلیلاً وقت محذوف کی صفت ہے۔ ان یکون المعنی الا وقتاً قلیلاً۔ یعنی وہ بہت قلیل عرصہ مدینہ طیبہ میں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

[121] منافقوں اور بدباطن لوگوں کے لیے اے حبیب! تیرے پڑوس میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ چند روز یہاں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ جہاں جائیں گے ان پر لعنت اور پھٹکار رہو گی۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں گے اپنی بداعمالیوں

اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ

کے پاس ہے ۱۲۳؎ اور (اے سائل!) تو کیا جانے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو بیشک اللہ تعالیٰ

لَعَنَ الْكٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ

نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لیے بھڑکتی آگ۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد

لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي

نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز وہ منہ کے بل

النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَا أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا

آگ میں پھینکے جائیں گے ۱۲۵؎ تو (وہ صد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول کریم

کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں بڑی رسوائی اور ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

۱۲۲؎ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو لوگ اس کے رسول کے ساتھ منافقانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور مارِ آستین بن کر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم کے ایمان کی یہ بھی ایک قطعی دلیل ہے کہ اگر ان کے دل میں نفاق ہوتا، یا وہ اسلام کے بدخواہ ہوتے جس طرح کئی بدباطن کہتے ہیں، تو اس ارشادِ ربانی کے مطابق وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکتے اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جاتا جو پہلی آیتوں میں مذکور ہے اور حال یہ ہے کہ وہ آج بھی صرف مدینہ طیبہ میں نہیں، بلکہ چودہ سو برس سے بھی زیادہ عرصہ سے اور مقدس گنبد خضرا میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں اور دامنِ کرم میں تشریف فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان گنت اور بے شمار رحمتیں اور برکتیں جو اس کے حبیب پر نازل ہو رہی ہیں۔ اس سے وہ بھی محظوظ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق کو یوں آشکار کرتا ہے لیکن دل کے اندھے نورِ حق کو پھر بھی نہیں دیکھ سکتے۔

۱۲۳؎ جب انہیں عذابِ جہنم سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہِ مذاق پوچھتے، جناب ذرا یہ تو فرمائیے وہ قیامت آئے گی کب؟ جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ اس لیے نہیں پوچھتے تھے تاکہ وہ توبہ کریں اور اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں، اس لیے ان کے حسب حال جواب دیا گیا۔ (علم قیامت کی بحث پہلے گزر چکی ہے)

۱۲۵؎ جب انہیں آتشِ جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور آگ میں جلنے کے باعث ان کے چہرے کی رنگت ہر لحظہ بدلتی رہے گی کبھی زرد کبھی سرخ، کبھی سیاہ۔ هذا التقليب تغييرها بما تلفح النار فتسود مرة وتخضر أخرى. (قرطبی) دیگر حضرات نے اس کا معنی کیا ہے

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝٦٧ رَبَّنَآ

کی ۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان ظالموں نے ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے ۹۷ اے ہمارے رب!

ع ۵

اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝٦٨ يٰٓاَيُّهَا

ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت ۹۸ ۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا

ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس تہمت سے جو انہوں

قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝٦٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

نے کہا ۹۹ اور آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے ۱۰۰ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

ای یسحبون فی النار علی وجوھھم منہ کے بل انہیں آگ میں گھسیٹا جائے گا۔ اس وقت وہ کف افسوس ملیں گے لیکن بے سود۔

۹۷ معذرت خواہی کرتے ہوئے عرض کریں گے اے ہمارے رب! اس میں ہمارا اتنا قصور نہیں۔ ہمارے سردار اور پیشوا ہمیں جس راہ پر چلاتے رہے ہم چلتے رہے۔ انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

۹۸ الٰہی ہم بے قصور ہیں ہمیں معافی ملنی چاہیے لیکن اگر ہمیں معافی نہیں ملتی تو ہماری یہ درخواست ضرور قبول ہو کر ان سرداروں اور سرغنوں کو دوچند عذاب دیا جائے۔ ان ظالموں نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ ان کا دوہرا جرم ہے، انہیں سزا بھی دگنی ملنی چاہیے۔

۹۹ بنی اسرائیل اپنے پیغمبر اور اپنے نجات دہندہ موسیٰ علیہ السلام کو بات بات پر دکھ دیتے تھے، قدم قدم پر مخالفت کرتے تھے باوجود اس کے کہ انہیں اپنا رسول مانتے تھے، لیکن ان کے ہر حکم سے سرتابی کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ تورات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی دلآزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ داستان بڑی طویل ہے لیکن چند جملے آپ بھی پڑھ لیں۔

بنی اسرائیل مصر میں غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم ربانی کے مطابق مصر سے ہجرت کا حکم دیا۔ چند قدم چلے تو پچھتانے لگے اور اپنے نجات دہندہ اور اللہ تعالیٰ کے کلیم سے یوں گویا ہوئے:

"تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔"

(خروج باب ۵، آیات ۲۱، ۲۲)

اُنھوں نے سمندر کے بحیرہ کو بخوبی عبور کر لیا۔ مُوسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے اس کی بپھری ہوئی موجیں سمٹ گئیں۔ ان کے لیے راستے بن گئے۔ یہ ساحل پر بسلامت پہنچ گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر ان کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوا۔ ان معجزات کے دیکھنے کے بعد جب سینا میں وہ پہنچے تو اپنے رسُول سے یُوں خطاب کیا۔

"اور مُوسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لیے بیاباں میں لایا۔ تُو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیاباں میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ (خروج۔ ب ۴ : ۱۱، ۱۲)

دشت سینا میں جب دھوپ لگی اور پیاس نے تنگ کیا تو یُوں گستاخی کرنے لگے:

"اور اس بیابان میں بنی اسرائیل کی ساری جماعت مُوسیٰ اور ہارون پر بڑبڑانے لگی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کاش کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے مُلک مصر میں جب ہی مار دیئے جاتے جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی کھاتے تھے کیونکہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اسی لیے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھُوکا مارو"۔ (خروج ۱۶ : ۳-۲)

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

کتاب الخروج ۱۷ : ۱-۵

کتاب گنتی ۱۱ : ۱ تا ۱۵۔ ۱۴ : ۱ تا ۱۰۔ ۱۶ مکمل۔ ۲۰ : ۱-۵۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم بنی اسرائیل کی روش اختیار کر کے میرے محبوب کی دلآزاری نہ کرنا۔ ورنہ تم کو اس گستاخی کی ایسی سزا ملے گی جس سے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے نبی کریم کو تکلیف پہنچے، وہ قطعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی صفات کمال کا انکار کرنا، حضور کی ذات اقدس و اطہر پر بہتان باندھنا، اللہ تعالیٰ نے حضور کو جن کمالات سے سرفراز فرمایا ہے ان کا انکار کرنا، حضور کے دین اور شریعت کے قوانین کو ناقابل عمل کہنا، حضور کی آل اطہار پر معترض ہونا، حضور کے صحابہ پر زبان طعن دراز کرنا، یہ سب ایسے اُمور ہیں جن سے حضور کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان تمام اُمور سے اجتناب ضروری ہے۔

ف۱۰۰ بنی اسرائیل کے اوباش مُوسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کی عیب جوئی کر کے ان کا دل دکھاتے تھے حالانکہ اللہ رب العالمین کے نزدیک ان کا مقام بہت اُونچا اور مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ "وجیہ" کہتے ہیں بلند مرتبہ۔ الوجیہ ذو جاہ و منزلۃ (کشاف) الوجیہ عند العرب العظیم القدر والرفیع المنزلۃ۔ جس کی شان بہت بڑی ہو، جس کا رُتبہ بہت بلند ہو عربی میں اس کو وجیہ کہتے ہیں۔

اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ

اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو۔ ۱۱۰ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا ۱۱۱ اور تمہارے

ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾

گناہوں کو بھی بخش دے گا ۱۱۲ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی ۱۱۳

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے

اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے، بے شک یہ

۱۱۰ اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کا دل دکھانا اور اس کی شان کا انکار کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے تمہیں تو تقویٰ اور پارسائی کا شیوہ اختیار کرنا چاہیے اور جب بات کرو تو سچی اور درست بات کرو، کوئی جھوٹی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے۔

۱۱۱ یعنی اگر تم اپنے عمل میں تقویٰ اور راست روی کو اور اپنے قول میں حق و صداقت کو اپنا شعار بنا لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو ہر کجی سے پاک فرما دے گا اور انہیں شرف قبول بخشے گا۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۱۱۲ اور اس سے پہلے جو لغزشیں تم سے سرزد ہوئی تھیں، وہ سب معاف کر دی جائیں گی۔ وہ لوگ جن کے سامنے تم سے گناہ سرزد ہوئے تھے ان کے حافظے سے بھی انکی یاد مٹ جائے گی، بلکہ فرشتوں نے جو دفتر عمل تمہارا تیار کر رکھا ہے وہاں سے بھی تمہارے گناہوں کی تحریر محو کر دی جائے گی۔ انس و ملک کی آنکھوں میں تم محترم و مکرم بنا دیئے جاؤ گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر نظر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس کے دل کو اپنی یاد اور ذکر کی لذت سے آشنا کر دیتا ہے تو اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور اس کے چہرہ پر ایک نور برستا ہوا نظر آتا ہے۔ بے ساختہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔

۱۱۳ فوز عظیم اور فلاح دارین کا تاج صرف اس کے سر پر رکھا جاتا ہے جو پیکر تسلیم و رضا بن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم کے ہر ارشاد کے سامنے بصد شوق اور بہ ہزار مسرت اپنا سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی بندگی کی اور اپنے پیارے حبیب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فداہ ابی و امی کی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ

ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی ۱۴۱ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو

۱۴۱ ارباب لغت، علماء شریعت اور عارفین نے اپنی اپنی حدِ فہم اور ذوق کے مطابق اس کی وضاحت کی ہے۔ قرآن کریم کے اسرار و معارف کو آشکارا کرنے میں ان حضرات نے جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور ہمیں انکے ذریعہ سے حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں یہاں ہر مکتبِ فکر کا نقطۂ نظر پیش کرتا ہوں۔ اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں: حمل الامانۃ یعنی اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا۔ اس آیت طیبہ میں حَمَلَ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس لغوی تحقیق کے پیشِ نظر آیت کا معنی ہوگا: ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا۔ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا۔ تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا۔ جو حکم ربانی ملا بے چون و چرا اس کی تعمیل میں لگ گئے اور سرِ مو انحراف اور سستی نہیں کی۔ وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا۔ وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے وہ غضبِ الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ وحملها الانسان لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا۔ انه کان ظلوما جهولا۔ بیشک انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔

لسان العرب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: وکل من خان الامانۃ فقد حملها وکذلك کل من اثم فقد حمل الاثم والسموٰت والارض ابین ان یحملنها یعنی الامانۃ وادّینها وادائها طاعۃ الله تعالیٰ فیما امرها به۔ و حملها الانسان قال الحسن: اراد الکافر والمنافق ای حملا الامانۃ ای خانا: ولم یطیعا: قال هٰذا المعنی والله اعلم صحیح. ومَنۡ اطاعه من الانبیاء والصدیقین فلا یقال کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا۔

اہلِ لغت کی بیان کردہ تفسیر کے بعد اب علماء کرام کا نقطۂ نظر ملاحظہ فرمائیے۔ ان کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفاتِ شرعیہ ہیں۔ جن میں عبادات، اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادہ کی آزادی دیتے ہیں کیا تم اس اختیار و آزادی کے ساتھ اس امانت کا بار اٹھانے کے لیے تیار ہو۔ انہوں نے اعتراف عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی اور اپنی بے بسی کا اقرار کیا۔ یہ بوجھ بہت گراں ہے، ہم اسے اٹھانے سے قاصر ہیں، ہمیں اطاعت کے ثواب کی امید سے عصیان و نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ہم تیرے مسخر اور پابندِ حکم رہ کر تیرے ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے۔ اختیار و ارادہ کی آزادی میں جو خطرات پنہاں ہیں، ان کو برداشت کرنے کی طاقت ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اب یہی چیز جب انسان کے سامنے پیش کی گئی، تو اس نے اپنی ناتوانیوں اور کمزوریوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس امانت کو اٹھانے کی حامی بھر لی اور اس بارِ گراں کو اٹھا کر اپنے آپ کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے انسان کی مذمت مقصود نہیں، بلکہ بیان واقع کے طور پر انه کان ظلومًا جهولًا فرمایا۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے بڑی پیاری بات فرمائی:

"شیخ جنید فرمود کہ نظرِ آدم بر عرضِ حق بود نہ بر امانت، لذتِ عرض، ثقلِ امانت را بر وے فراموش گردانید لاجرم لطف ربانی بزبانِ عنایت فرمود کہ برداشتن از تو، ونگاہ داشتن از من"۔ (روح البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ امانت حضرت آدم پر پیش کی تو آپ کی نظر اس وقت امانت اور ثقل پر نہ تھی، بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی۔ اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذت و سرور تھا، اس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ جنید فرماتے ہیں یقیناً لطفِ ربانی نے آدم کی اس نیاز مندی اور ہمت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اٹھانا تیرا کام ہے اور اٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے۔

اب صوفیائے کرام کا مسلک ملاحظہ فرمائیے۔ اس کی ترجمانی کا حق حضرت علامہ پانی پتی نے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ آیت کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ یہاں جو امانت مذکور ہے۔ اس سے وہ امانت مراد ہے جسے صرف انسان اٹھا سکتا ہے اور کوئی مخلوق اسے اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اگر اس امانت سے مراد احکام شرعیہ ہوں تو انسان کی خصوصیت نہیں بلکہ جن اور ملائکہ بھی مکلف ہیں۔ اس طرح ملائکہ کی افضلیت انسان پر لازم آئے گی کیونکہ ان کی شان تو یہ ہے: یسبحون اللیل والنھار و لا یفترون۔ وہ دن رات تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور ذرا نہیں تھکتے اور انسان کی یہ حالت نہیں۔ اس لیے صوفیاء کرام نے امانت کی تفسیر نور العقل اور نار العشق سے کی ہے یعنی نورِ عقل استدلال کے ذریعے معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر معرفتِ الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ ومن ثم قالت الصوفیۃ العلیہ المراد بالامانۃ نور العقل و نار العشق ونور العقل یحصل بہ معرفۃ اللہ تعالیٰ بالاستدلال ونار العشق یحصل بھا معرفۃ اللہ تعالیٰ سبحانہ بحرق الحجب

بیشک فرشتے بھی اس کے مکرم بندے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مخصوص مقام ہے جس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر سکتا اور سوزِ عشق کے باعث غیر متناہی درجات تک ترقی کرتے جانا یہ حضرت انسان کی خصوصیت ہے۔ فالترقی الی المراتب الغیر المتناھیۃ بنار العشق انما ھو من خصائص الانسان۔

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماہیتِ انسانیہ میں ودیعت کی ہے جو تجلیاتِ ذاتیہ دائمہ کو قبول کرتی رہتی ہے۔ صالح جن بھی عبادت و ریاضت سے ملائکہ کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں، پھر بھی ان کے حصہ میں تجلیاتِ صفاتی آتی ہیں تجلیاتِ ذاتیہ کی اہلیت نہیں ہوتی۔

آخر میں علامہ موصوف "ظلوماً جھولاً" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک سبعیہ اور دوسری بہیمیہ۔ سبعی قوتوں سے اس کے دل میں تفوق اور برتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے وہ معرفت کی اونچی سے اونچی چوٹیوں کو سر کرتا ہے اور بہیمی طاقتوں کے باعث اس میں جفاکشی اور مشقت جھیلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث وہ طویل ریاضتوں اور مشکل عبادتوں کا بوجھ صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہوا منزلِ محبوب کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ دو قوتیں انسان میں نہ ہوتیں تو وہ بھی ساحلِ عافیت پر خیمہ زن رہتا اور کبھی آزمائش کے تند و تیز طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر ۱۱۵

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہر دم رحم فرمانے والا ہے ۱۱۶

مولانا جامیؒ نے بھی ظلوماً جہولاً کا معنی خوب کیا ہے۔

غیر انساں کس نکرد قبول زانکہ انسان ظلوم بود و جہول

(انسان کے بغیر اس امانت کو کسی نے قبول نہ کیا کیونکہ انسان ظلوم اور جہول تھا۔)

ظلم او آں کہ ہستیٔ خود را ساخت فانی بقائے سرمد را

(اس کا ظلم یہ تھا کہ اس نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا تا کہ بقائے سرمدی حاصل کرے۔)

جہل او آں کہ ہرچہ جز حق بود صورتِ آں زلوحِ دل بزدود

(اور اس کی جہالت یہ ہے کہ حق کے بغیر جو کچھ تھا اس نے اپنے دل کی لوح سے مٹا دیا۔)

نیک ظلمے کہ عینِ معدلت است نغز جہلے کہ مغزِ معرفت است (روح البیان)

(وہ ظلم بہت اچھا ہے جو عین عدل ہے اور وہ جہالت بہت عمدہ ہے جو معرفت کا مغز ہے۔)

یہاں ان صفات ظلوم و جہول کے ذکر کرنے سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک تو اس علت کا پتہ چل گیا جس کی وجہ سے انسان اس بار امانت کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہوا، اور دوسرا اس پیکر خاکی کی منقبت اور توصیف کر دی گئی کہ یہ ان صفات عالیہ سے متصف ہے۔ فہو تعلیل و منقبۃ لہ۔ اللّٰہ تعالیٰ و رسولہ الاکرم اعلم باسرار القرآن الکریم۔

۱۱۵ یہ لام عاقبت ہے یعنی اس امانت کے اٹھانے کا انجام یہ ہوا کہ جن مردوں اور عورتوں نے منافقانہ روش اختیار کی یا جن مردوں اور عورتوں نے کھلم کھلا شرک کیا وہ تو عذاب جحیم کے مستحق ٹھہرے اور جن مردوں اور عورتوں نے ایمان قبول کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کی نگاہ فرمائی اور اس مشکل مرحلہ کو ان کے لیے آسان کر دیا۔ یہاں یَتُوْبَ اللّٰہُ کا معنی توبہ قبول کرنا نہیں بلکہ لطف و کرم سے متوجہ ہونا ہے۔ ای یرجع بالرحمۃ والمغفرۃ والجذب والاجتباء واعطاء مراتب القرب یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، مغفرت، کشش، اجتباء اور قرب کے مراتب عالیہ عطا کر کے ان پر نگاہ کرم فرماتا ہے۔ (مظہری)

آیت میں مومنین اور مومنات سے مراد وہ لوگ ہیں جو امانت کو ادا کرتے ہیں اور تجلیات میں مستغرق رہتے ہیں المؤدین والمؤدیات المستغرقین فی التجلیات۔ (مظہری)

۱۱۶ اس کے بندوں سے جو لغزشیں صادر ہوتی ہیں ان کو وہ معاف فرما دیتا ہے اور جو نیکی کا کام ان سے سرزد ہوتا ہے،

اس کو محض اپنی رحمت کے طفیل منزل تک رسائی کا ذریعہ بنا دیتا ہے ورنہ کہاں وہ بارگاہِ ناز اور کہاں یہ پیکرِ عجز و نیاز۔
ربِ کریم کی انہی دو صفتوں غفور اور رحیم کے صدقے سالک راہِ محبت ٹھوکریں کھاتا افتاں و خیزاں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے
اور آخر کار وصالِ حبیب سے شاد کام ہوتا ہے۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ اللّٰھم صل علی سیدنا محمد
رسولک المرتضیٰ وعبدک المصطفیٰ من الصلوٰت اطیبھا ومن التسلیمات ازکاھا ومن التحیات اسناھا وعلی آلہ
وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ الی یوم الدین۔

محمد کرم شاہ
۶ رجب ۱۳۹۱ھ، ۲۹ راگست ۱۹۷۱ء